

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224215

UNIVERSAL
LIBRARY

ماہنامہ پیغامِ حق

ترجمانِ حقیقت علامہ اکثر محمد اقبالؒ کے افکارِ عقائد اور پیغام کا علمبردار

مہارت

غلام سرفراز فگار

دفتر اقبال اکیڈمی طفہ منزل تاج پور۔ لاہور

قیمت فی پرچہ ۶ آنے

قیمت سالانہ چار روپے

پیو کے عکسی مترجم قرآن مجید

کے پانچ پاروں کی تیسری جلد بھی مکمل ہو کر زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے عربی متن کے مقابل کے صفحہ پر با محاورہ سلیس اردو ترجمہ اور حاشیہ پر ہر کوع کا خلاصہ عام فہم زبان میں عکسی بلاکوں سے شائع کیا گیا ہے کاغذ عمدہ چھپائی صاف اور دیدہ زیب جلد مضبوط اور خوبصورت حجم ۲۰ صفحے باوجود ان تمام خوبیوں کے ہدیہ اس قدر کم رکھا گیا ہے کہ ہر خاص و عام اس سے مستفید ہو سکے۔

اپنے شہر کے کسی تاجر یا ہمارے ایجنٹ سے غیر میں حاصل کیجئے

پیو لمیٹڈ بیرن موری درازہ لاٹھو

قیمت سالانہ

روٹے سے پانچ روپے

عوام سے چار روپے

فہرست مضامین

جلد ۵	اکتوبر ۱۹۴۱ء	عدد ۴
سخنہائے گفتنی	ایڈیٹر	۲
نقد و نظر	جناب انور سرحدی صاحب	۵
ادبیات۔		
جنگ اور امن	جناخواب فیض لدھیانوی۔ لاہور	۷
بندہ مومن	جناب غزالدین صاحب پال	۸
اقبال اور انسان	جناب غلام سرور صاحب دگلار	۹
اقبال اور ٹیگور کا مقابلہ	جناب عبدالمجید صاحب سالک	۲۲
اسرار خودی کا مقدمہ	جناب تھیوٹے لال صاحب	۲۵
خدمت	جناب نعیم مدنی صاحب	۳۳

سید محمد شاہ پرنٹر پبلشر نے دین محمدی الیکٹرک پریس لاہور میں طبع کرا کر دفتر سالہ "پیغام حق"

ظفر منزل تاج پورہ لاہور سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سخنہائے گفتنی

اگرست نمبر کا پرچہ پیغام حق کی ایک مشتاق خاص تھا جس میں ضابطہ ازدواج پر پوری پوری بحث کی گئی تھی اس زمانہ میں جبکہ اسلامی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں، عوام کا تو کیا بوجھنا خواہیں کمان الجھنوں کو نہیں سمجھا سکتے جو یورپین طرز تمدن طرز فکر اور ہندوستانی ماحول کی وجہ سے مسلمانوں کیلئے انتشار اور پریشانی کا باعث بن رہی ہیں۔ اسلام نے ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور تمدن کا بہترین نمونہ بننے کیلئے جو قوانین وضع کئے تھے وہ کچھ تو غیر مسلموں کی سیاسی استیلا اور کچھ مسلمانوں کی اپنی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے ہنسوسٹ حرف غلط کی طرح مٹ گئے ہیں اب اگر کسی بندہ حق کو ان کے معلوم کر سکی ضرورت درپیش آتی بھی ہے تو وہ بچا رہا باوجود تلاش و جستجس کے ناکام رہتا ہے۔ رخصلا بھلا کرے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا جنہوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اسلامی ازدواجی زندگی کے تمام شرعی قوانین تحریر فرمائیے اور ان اصولوں پر سائل بہ مسئلہ مثلاً انفسلخ نکاح اور تبدیلی مذہب پر ستم ناروا کی جو صورتیں درپیش ہیں ان کا بہترین حل بھیجا دیا۔

جن حضرات نے پیغام حق کی اس غشت کا مطالعہ کیا ہے وہ ہماری اس کوشش سے بہت متاثر ہوئے ہیں کہی ایک نئے ہی حوصلہ افزائی کی ہے اور ایسی طرز کے مضمین جن مسلمانوں کی عملی زندگیوں کو کوئی فائدہ پہنچ سکے شائع کرنے کی سفارش کی ہے۔ ہمارے خیال میں بھی اس دور میں جبکہ مسلمان از سر نو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کڑ دکنے لگائے اُسے ایسا ہی طریقہ چرچا چاہئے مگر افسوس تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو اس طرز کا طریقہ چرچتے ہیں ان کا شمار قوم میں ایسا ہی ہے جیسے اُن میں نمک بلکہ اُس سے بھی بہت کم کیونکہ اُن کو نمک سے متاثر ہو جاتا ہے مگر یہ لوگ کسی سے متاثر نہیں ہوتے۔

پیغام حق کا اگلا پرچہ "قرآن نمبر" ہو گا یہ پرچہ نومبر اور دسمبر کا مشترکہ پرچہ ہو گا جو دسمبر کے پہلے ہفتہ میں انشائیہ اور لکھنؤ

نکال دیا جائیگا۔ اس بچے کیلئے ایسے ایسے نادار و مفید مضامین حاصل کئے گئے ہیں کہ ان کے مطالعہ سے قارئین کرام یقیناً مستعد بنائے اٹھائیں گے اس پرچہ میں مولانا عبداللہ العمدادی مولانا عبدالماجد دریاباری، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبید اللہ مساندھی جیسے فاضل علمائے مضافین بول گئے اور ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی حضرات کے مضامین مندرج ہیں جن کو قرآن کریم کے ساتھ ایک گونہ شیفتگی اور الہامی محبت کا تعلق ہے۔

رسائل و کتب کا مطالعہ کرنے والے حضرات سے یہ امر آپس طرح مخفی نہیں کہ کاغذ کی قیمت اب پہلے کی نسبت تین گنا زائد ہے۔ کاغذ کا ایک دم جویم چار سٹھے چار پے میں لیا کرتے تھے اب ساٹھے تیر پے میں ملتا ہے۔ کاغذ کی اس گرانی کے باعث کچھ مسائل اخبارات بند ہو گئے ہیں اور بہت سی ایسی چیزیں جو تاریخ سحری بنے بیٹھے ہیں۔ یہ ادارہ حکیم الامت علامہ ڈاکٹر سر محمد قبال مرحوم کی یادگار کے طور پر قائم کیا گیا تھا اور اس کا مقصد جدید ضروریات کے ذریعہ ایسے اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی جائے جو مسلمانوں کے سیاسی، ادنیٰ و اعلیٰ امور کو نقطہ اعتدال پر لائے۔ ان کے اندر غیرت و حمیت اسلامی کا جوش پیدا کرے اور انہیں قرآن کریم کی یہ نصیحت ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ لَا تَهِنُوا فِی الْقِتَالِ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ اب ایسے ادارہ کو زندہ رکھنا ہم دو چار دیوبلی کا فرض نہیں ہے بلکہ پوری قوم کا فرض ہے۔ اس قیل بھی دو تین مرتبہ قارئین کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرانی گئی تھی مگر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اسے مجبوراً ذرا تلخ نوائی سے کام لینا پڑا ہے۔ جو قوم اپنے قومی لٹریچر کو زندہ نہیں رکھ سکتی اس کی موت یقینی ہے۔ آپ یہ غور نہیں کر سکتے کہ آپ کو لٹریچر زندہ رکھنے کے وسائل حاصل نہیں۔ دور نہ چلیے صوت پیغام حق کے خریداروں میں ایسے ایسے متول اور صاحب اقتدار سینکڑے دل حضرت موجدِ حق اگر چاہیں تو ان میں سے ایک ایک اس قابل ہے کہ ادارے کے پچیسے اخراجات دس پندرہ سال کے لئے بیانیات ادا کر کے مگر حالت یہ ہے کہ تین بیسے سالانہ چندہ سے ناکد ایک دھڑی مکہ حضرت بطور معاذت نہیں ہے چندہ اس قدر کم ہے کہ سڑک کے اخراجات پہلے ہی لیے نہیں جاسکتے تھے ادراپ جبکہ کاغذ کی گرانی کی وجہ سے اخراجات سرگن بھگتے ہیں وہ کیسے پورے ہونگے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ حضرت سے درخواست کہ اقبال اکیڈمی اور رسالہ پیغام حق کی معاذت کی طرف توجہ کیجئے۔

رسالہ کا چندہ اس پرچہ سے جملے تین پہلے کے چار پہلے کیا جا رہا ہے امید ہے کہ آپ حضرت بخوشی اسے قبول کر لینگے۔ چار پہلے سالانہ کے معنی ہیں ساٹھے پانچ آنے، ہاں اگر آپ ساٹھے پانچ آنے مانے ایسے اسلامی طریقہ کے لئے مخرج کریں تو آپ یقین رکھئے کہ آپ کا کچھ نقصان نہ ہوگا ہاں قسم کی تحریر لکھنے پر جو معذرت کی ہے اس کے اجر کے آپ ضرور مستحق ہو جائیں گے۔

ادارہ کی معذرت کی ایک شکل یہ ہے کہ رسالہ کی توسیع اشاعت میں ہماری مدد کیجئے اگر آپ تمام حضرت خدایک ایک ہی خریدار اپنے اثر سے بنادیں تو بھی اشاعت دو چند ہو سکتی ہے حالانکہ بعض حضرات اگر توجہ کریں تو کئی کئی خریدار باسانی دے سکتے ہیں۔ معذرت کی دوسری صورت یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے مہیج ۱۹۲۵ء کے بنیام میں لکھا تھا آپ قبل الکیڈیمی کی رکنیت قبول فرمائیے جس کے شرائط حسب ذیل ہیں۔

محسن خاص: جو حضرات کم از کم دوسرے یکمشت عنایت فرمائیں گے وہ قبل الکیڈیمی کے محسن خاص تصور ہوں گے۔ ایسے بصدوران اسلام کی خدمت میں الکیڈیمی کی تمام مطبوعات مع رسالہ باقیمت نذر کی جاتی ہیں گی نیز الکیڈیمی کے کارکن ان کے قیمتی مشوروں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین: جو حضرات کم از کم ایک سو دہرے یکمشت عنایت فرمائیں گے وہ الکیڈیمی کے محسنین کہلائیں گے اس عطیہ کے پیش نظر ان کی خدمت میں قبل الکیڈیمی کی ہر مطبوعہ نصف قیمت پر اور رسالہ باقیمت روانہ کیا جاتا ہے گا۔

۳۔ معاونین: جو حضرات کم از کم پندرہ سالانہ مرحمت فرمائیں گے وہ معاونین کہلائیں گے۔ ان کی خدمت میں قبل الکیڈیمی کی ہر مطبوعہ نصف قیمت پر اور رسالہ باقیمت روانہ کیا جائیگا۔

۴۔ احمیاء: جو حضرات دس سالانہ مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار قبل الکیڈیمی کے اعماء میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں رسالہ باقیمت اور قبل الکیڈیمی کی کم از کم دو مطبوعات نصف قیمت پر روانہ کی جائیں گی۔

مجھے امید ہے کہ جن حضرات کے دل میں احساس ہے جو اس ادارہ کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں جن کے نزدیک صالح طریقہ ہر کی کوئی اہمیت ہے وہ حتی الامکان امداد و اعانت سے محروم نہیں کریں گے۔

نقد و نظر

فتنہ رہبانیت - از جناب مرزا عزیز فیضانی دارالپوری -

ساز ۲۰۳۳ صفحات ۶۴ صفحا۔ کاغذ عمدہ سفید سرسبز معنوی رنگین۔ کتابت و طباعت نفیس قیمت مجموعہ غیر معمولی

کتاب ملنے کا پتہ - مرزا خالد بیگ میمنجر مکتبہ دارابی - فیضانی منزل - اسلامیہ پارک جنوبی لاہور

فتنہ رہبانیت کے مصنف جناب مرزا عزیز فیضانی اُن قابل ذکر ہستیوں میں ہیں جن کو ہم ہمیشہ وقت کی نظر سے دیکھتے چلے آئے ہیں اور جن کے ساتھ ہماری بہت سی علمی مذہبی امیدیں وابستہ ہیں۔ ناظرین "پیغام حق" مرزا صاحب معدودہ کے مفید مضامین رسالہ ہدایں اکثر پڑھ چکے ہیں۔ آپ اعلیٰ درجہ کے اسلامی شاعر اور قابلِ ادیب ہونے کے علاوہ لفظ و معانی کا محقق ہیں آپ کی کئی ایک مفید تصانیف مثلاً فتنہ رسومات۔ فن تفسیر و فضیلت معصظنہ عوام خواص میں خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ فتنہ رہبانیت آپ کی ایک نئی تصنیف ہے جس میں ترک دنیا کے غلط نظریہ کی تردید نہایت احسن طریق پر کی گئی ہے۔ مصنف نے کتاب کی تدوین میں بڑی جانفشانی اور وسعت نظر سے کام لیا ہے۔ ترتیب مضامین کے لحاظ سے یہ کتاب اپنے موضوع میں ایک خاص اور ممتاز درجہ رکھتی ہے مسائل کی بحث مفصل ہونے کے علاوہ تاریخی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے عوام و خواص غریب و امیر کے مطالعین کی ذہنی قابلیت کو پیش نظر رکھا ہے۔

اس موضوع پر ایک مفصل کتاب کی شدید ضرورت مدتِ مدید سے محسوس ہو رہی تھی۔ الحمد للہ کہ مرزا صاحب نے نہایت دل شین طریق پر سادہ اور زبان میں اس ضرورت کو بوجہ اتم لوہا کر دیا ہے کتاب کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ۱) تعارف و تہذیب، ۲) اثرات رہبانیت، ۳) دنیا داری کے اسلامی احکام ان ہر حصے کے تحت جو چھوٹے چھوٹے عنوانات تجویز کئے ہیں۔ وہ بکائے خود نہایت جامع ہیں۔ ان عنوانات کے تحت سینکڑوں

علمی و مذہبی مباحث آگئے ہیں مہم نے کتاب کو بنظر غائر دیکھا ہے۔ اور یہ کہنا بڑا تمہ ہے کہ قابل معصفت نے کوئی بحث تشنہ ذاکل نہیں چھوڑی مگر تاج صوفیائے کرام حضرت مولانا علال الدین رومی کے اس

شعر

چہیت دنیا از حسد اغفل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

کی مفصل۔ سمل۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جامع تشریح دیکھنی مطلوب ہو تو اس کتاب کو دیکھ لیا جائے ترک دنیا کے قطعی غلط۔ غیر اسلامی نظریہ کی جس طرح تردیدیں نکالیں گی یہ شاید ہی کہیں ہو۔

اس زمانہ پرفتن میں جبکہ قرآن حدیث سے بہت زیادہ بے اعتنائی برتی جا رہی ہے عوام کو تو کیا ذکر ہو بھی بدعت سیئہ کا ذکر نہیں۔ اُن کا گمان ہے کہ شریعت و طریقت جدا جدا ہیں ترک دنیا جو اصل عیسائیت ویدانت کے عہد ہالوسی کی یادگار ہے اسی خیال کے نتیجہ میں بعض غال اور جاہل صوفیوں کی بدولت دین اسلام میں زبردستی ٹھونس دی گئی تھی۔ مصنف نے پردہ چاک کر کے اسلام کی اصل صورت دکھائی ہے۔ اسلام ایک کامل مذہب ہے۔ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی اس کو دوسروں کے دروازہ پر لہجنا پارے درجہ کی بے غیرتی ہے

کتاب ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے۔ نو تعلیم یافتہ۔ علماء و صوفی۔ عوام و خواص سب کا کام ہے ناظرین پیغام حق سے گزارش ہے کہ اپنے حلقہ ہائے اثر میں اس کتاب کی ترویج کر کے خود مستفید ہوں اور مصنف کی حوصلہ افزائی کریں۔

گو آیات قرآنی اور احادیث کی کتابت میں کسی کی جگہ غلطیاں پائی گئی ہیں اور بعض احادیث بلا حوالہ درج کر دی گئی ہیں۔ ملاحظہ حوالہ جات مزید لطف کا باعث ہو سکتے تھے۔ جیسا ہی باتیں باوجود کوشش و محنت رہ ہی جا یا کرتی ہیں ہم ایک نفع اور فتنہ رہبانیت ایسی نسل و جہ کی کتاب کہ گہرے مطالعہ کی پرورد سفارش کرتے ہیں۔

ادبیات

جنگ اور امن

(از خواجہ فیض لدھیانوی - لاہور)

(۱) جنگ

جنگ سے دشمن تباہ جنگ آزادی کی راہ
جنگ آئین حیات جنگ پر فطرت گواہ
جنگ تباہ دل جنگ پروازِ نگاہ
جنگ جانِ مردمی جنگ شانِ انتباہ
جنگ سے عزت ملے جنگ سے حاصل ہو جاہ
جنگ میں لڑنا ثواب جنگ سے ڈرنا گناہ
جنگ کے دوران میں جنگ ہے جلے پناہ
جنگ اتنا ہنر جنگ تکمیلِ سپاہ
جنگ ہے خوفِ خطر جنگ ہے دیوِ سیاہ
جنگ کا ارمان رکھ جنگ کا میدان چاہ
جنگ ہے تقدیرِ قوم جنگ ہے تدبیرِ شاہ
جنگ ہے فیضِ خودی
جنگ ہے تحمیلِ دواہ

(۲) امن

امن غلامی کا دام امن سے قومیں غلام
امن ہے عشر کی نئے امن ہے سستی کا جام
امن ہے خوابِ گراں امن ہے مرگِ دوام
امن قبروں کا کمین امن مُردوں کا امام
امن کا احساسِ اپت امن کی اُمیدِ خام
امن سے کمزور فوج امن سے برہم نظام
امن کس چیز میں؟ امن کس شے کا نام؟
امن سے نالالِ سحر امن سے بیزارِ شام!
امن جمود و سکوت امن قرارِ وقیم
امن سازِ باکمال امن سوزِ ناتمام
امن ہے نیمِ بری امن ہے دقّ و دغام
امن ہے بزمِ سخن
امن ہے فیضِ کلام

بندۂ مومن

(از جناب عزالدین صاحب پال امرتسر)
 سکندرانہ ادائیں ، قلندرانہ نماز
 نیاز مندیاں تیری کہ بارگاہ میں ناز
 ترا وہ راہِ محبت میں مضطرب رہنا
 تری وہ جلوت و خلوت ، ترادہ سوز و گداز
 تری نگاہ سے دو نیم یہ جہاں سارا
 تری نگاہ سے ہر قلب میں نشیب و فراز
 تری نگاہ سے تقدیر بھی بدل جائے
 ترے اثر سے ہر اک ذرہ مائل پرواز
 تری نظر کا یہ فیضان ہے کہ کر گس بھی
 فضا میں اپنی اڑانوں پہ کر رہا ہے ناز

اقبال اور انسان

(غلام سرور فگار)

انسان کیا ہے ؟

اس کو کیوں پیدا کیا گیا ؟

اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے ؟

یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ہر زمانہ کے نبی اور اصحابِ غور و فکر دیتے رہے ہیں اور تمام مذہبوں اور فرقوں کی توسیع اور استحکام کا دار و مدار بھی انہیں سوالات کی وضاحت پر ہے

جہاں تک تاریخ مذاہبِ مہمانی کرتی ہے ہم ہندوستان، ایران اور یونان کے قدیم پیغمبروں اور اربابِ فکر کے اُن خیالات کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو انہوں نے ان سوالات کی بابت ظاہر کئے۔

ہندوستان | ہندوستان کی تہذیب دنیا میں سب سے قدیم مانی گئی ہے قدیم آریاؤں کے پہلے انسان مادہ اور روح کے مجموعہ کا نام تھا لیکن اصلی حیرتِ روح تھی جو جسم میں عارضی طور پر قیام پذیر تھی اور جس طرح کوئی شخص پرانے کپڑے اتار کر نئے پہن لیتا ہے اُن کے خیال کے مطابق یہ روح بھی ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے قالب کو اختیار کرتی ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں کام میں نے کیا ہے وہ غلطی پر ہے عقلمند آدمی وہی ہے جو دیکھنے، سننے، سونگھنے، بولنے، چھونے اور ہاتھوں سے کام کرنے کے باوجود یہ کہے کہ میں تو کچھ نہیں کر رہا ان فعلوں کے ذمہ دار تو اس میں یہ ہندوستان کے انسان کی حقیقت تھی !

رہا یہ کہ اس کو کیوں پیدا کیا گیا؟ اپنے کروٹوں کا پھل بھوگئے کے لئے اس لئے حبیب تک وہ اس دنیا میں ہے گا چارونا چاراس کی روح کو وہ تمام تکلیفات برداشت کرنی پڑیں گی جن کا تعلق اس کی جسمانی جلے سکونت سے ہے۔

انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ نردان حاصل کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ شادی اور غمی، تکلیف اور آرام، خوف اور غصہ، محبت اور نفرت، کامیابی اور ناکامیابی، نفع اور نقصان، نیکی اور بدی، غرض کہ ہر قسم کے احساسات سے میسر ہے اور کسی قسم کے اثر کو قبول نہ کرے کیونکہ یہ تمام احساسات گناہ کی ترغیب دیتے ہیں نیز حبیب تک اس دنیا میں ہے بیوی، بچوں اور دوستوں سے اپنے تعلقات منقطع رکھے کیونکہ یہ روح کی نجات کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ ترک دنیا سے زیادہ موثر کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے جس سے نردان کے حصول میں مدد مل سکتی ہے اور نردان کا مطلب یہ ہے کہ روح تزکیہ کرنے کے بعد برہما یا شیو کی ذات میں مل جائے چنانچہ اس غرض سے برہما اور شیو کے بتوں کی پرستش کی جاتی ہے

ایران ایران میں بدی اور نیکی کی دو علیحدہ علیحدہ طاقتیں تصور کی گئی تھیں جن کو وہ زبانِ لامحدود کے دو بڑے سمجھتے تھے ان میں سے ایک نور تھا اور دوسرا ظلمت۔ انسان ان کے ہاتھوں میں ایک کھلونے کی حیثیت رکھتا تھا۔ داصل مقابلہ ان دونوں بیٹوں کے درمیان ہوتا تھا لیکن وہ اکالہ کار انسان کو بناتے تھے کبھی ظلمت پر نور غالب آجاتا تھا اور کبھی نور پر ظلمت۔

انسان کو اس لئے دنیا میں پیدا کیا گیا کہ وہ ظلمت کو مغلوب کرے اور اپنے نور کو اہستہ اہستہ اسی آفتاب کے ساتھ ملائے جس کی ایرانی پرستش کیا کرتے تھے۔

دنیا کی بابت اُن کا خیال بھی بند دوس کی طرح یہ تھا کہ یہ شیطان کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کی دلچسپیوں میں دل کو پھنسا نا نہیں چاہئے بلکہ رہبانیت اختیار کرنی چاہئے اور یہی انسان کی زندگی

کا مقصد ہے۔

یونان | ہندوستان اور یونان کے معتقدات میں بہت کم فرق دکھائی دیتا ہے دھرم کے وہ بھی منکر تھے اور ہوش و حواس کو کالعدم سمجھتے تھے اُن کے نزدیک مرنے سے پہلے ہی مرجانے میں زندگی تھی۔ روح ازل اور جسم بیکار اس لئے دنیا کو ترک کر کے خلوت نشینی میں عمر گزارنے کی تلقین کرتے تھے اور نجات کے لئے بتوں کی پرستش عام تھی۔

حکیم افلاطون ان تعلیمات کا بانی تھا۔ یہ تعلیمات اتنی عام تھیں کہ شعرا تک اسی رنگ میں اشعار کہتے ہیں سفو کلیس کے نوحہ کا ذیل کا شعر ملاحظہ ہو۔

”بہترین اُردو یہ ہے کہ انسان دنیا میں نہ آئے اور اگر آچکا ہے تو سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان جہاں سے آیا ہے جتنی جلدی ہو سکے واپس جانے کی کوشش کرے۔“

انسان کی حقیقت، اس کی پیدائش کی وجہ اور اس کی زندگی کے مقصد کی وضاحت میں دنیا کی فضا جن خیالات سے معمور تھی اُدھر اس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے ہندوستان، ایران اور یونان کے معتقدات میں سوائے جزوی اختلاف کے روح ایک ہی ہے تاریخ اس کا منبع و ماخذ ہندوستان کو ہی قرار دیتی ہے۔ بدھ کے زمانہ میں جب ہندوستان کی حکومت بھی اس مجدد کی روحانی تعلیمات کے سامنے تسلیم خیم کر چکی تھی تو مغربی علاقہ کے آریہ ایران اور افغانستان کی سرحدوں کو توڑ کر ان ملکوں میں داخل ہو گئے نیز بدھ مت نے اپنے پانچ سو سالہ اقتدار کے دوران میں ایران اور یونان میں اپنے مشنری بھی بھیجے تھے جن کا مقصد اس کے عقائد کا پھار تھا انسان کی بات یہ تصور تھوڑے سے مزید رد و بدل کے بعد ایک عرصہ تک ایران اور یونان میں قائم رہا۔

لیکن آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل عرب میں ایک پیغمبر آیا جس نے انسان کی عظمت و دبتری اور

اس کے اعلیٰ ترین نصب العین کا پیغام خدا کی جانب سے تمام دنیا کے انسانوں کو دیا اس نے بتایا کہ خدا نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے اور یہ وہ صورت ہے جو درحقیقت خدا کے نائب کے عین شایان شان ہے اس کی پیدائش کی غرض بھی یہی کہ وہ دنیا میں خلافتِ کبریٰ کو قائم کرے اور اس کی عنانِ ریادت اپنے ہاتھوں میں سنبھالے یہ تمام دنیا اسی کے لئے پیدا کی گئی ہے پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اسی کے تابع فرمان ہے جو حدود مقرر کر دی گئی ہیں اُن کے اندر رہ کر وہ ان اشیاء پر حکومت کر سکتا ہے اور اُن سے کام لے سکتا ہے۔ انسان دنیا کی تمام مخلوقات سے اشرف ہے اس لئے اسے سوائے خالقِ حقیقی کے کسی کے سامنے اپنے سر کو خم نہیں کرنا چاہئے۔

یہ مفاد وہ پیغام جو پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا۔

ساڑھے تیرہ سو سال کے اندر مسلمانوں نے اندرونی اور بیرونی اختلافات کی وجہ سے اس پیغام کو جو انسان کی زندگی اور اس کے مستقبل کو درخشاں اور شاندار بنا آتا تھا پس پشت ڈال دیا اور اس کا نتیجہ کمالات کے حق میں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے جتنا تباہ کن ہوا اس کا زندہ ثبوت آج خود مسلمان ہیں اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اقبال رحمہ نے مسلمانوں کے اس زوال کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے جب تاریخ اسلام پر نظر ڈالی تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ مسلمانوں نے انسانیت کے اس پیغام کو فراموش کر دیا ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل اُن کے ہادیِ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مذہبِ نیکو گوشت گزار کیا تھا بلکہ اپنے آپ کو اس کا غلی ثبوت پیش کیا تھا اور وہ عملی ثبوت کیا تھا؟ اقبال نے ذیل کے شعر میں واضح کیا ہے

سبق ملے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور غنیمتِ مسلمہ کے بعد جب تک صحابہ کرامؓ اور خلفاء اُن کے اس اسوہ حسنہ پر عمل کرتے

یہ خدا اور دنیا کے لوگوں کے نزدیک اُن کی برگزیدگی مسلم رہی لیکن جب سے مسلمانوں نے عظمت انسانی کے احساس کو بھلا دیا ہے دین اور دنیا دونوں سے محروم ہو گئے ہیں۔

اس مجموعہ اشعار میں جو "اقبال" اور انسان کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے اقبال نے عظمت انسانی کے اُسی بھولے ہوئے پیغام کی یاد کو تازہ کیا ہے اور اس اعزاز سے اُس پیغام کو پیش کیا ہے کہ فطرت کے باریک حجاب میں سے فرشتوں کے پوشیدہ تہمت بھی دکھائی دیتے ہیں لیکن پہلے کوئی ایسا کامل انسان بھی تو ہو جس کی جتنی خدانود جذبہ نیاز مندی سے بقدر ہو کر باہر نکل کھڑا ہو۔

یہ ہے اقبال کا وہ شاندار انسانی تصور اقبال خود ایسے انسان کی جستجو میں سرگرداں ہے بالآخر انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اس چیز کو پالیا۔ اور اُن کے مقابلہ میں دنیا کی کسی مہتی کو نہیں لاتے تھے بلکہ یہاں تک کہہ گئے ہیں ۷

می توانی منکر بز داں شدن

منکر شان نبی نمواں شدن

پھر بھی جس انسان میں اُن کو انسانی عظمت کی جھلک دکھائی دی خواہ وہ نہولیں ہو لیکن ہو یا قیصر ولیم اقبال اس کا اعتراف کئے بغیر نہ سکے۔

آئید ہے کہ یہ چند سطور ان اشعار کے مفہوم کو سمجھنے میں قارئین کرام کو مدد دیں گی۔

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے !

انسان کو راز مجھ بٹایا راز اس کی نگاہ سے چھپایا
میتاب ہے ذوق آگہی کا کھلتا نہیں بھید زندگی کا

حیرت آواز و انتہا ہے

اُٹینے کے گھر میں اُدکیا ہے

ہے گرم خرام موج دریا دریا سوئے بحر جادہ پیما
بادل کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اُٹھائے لا رہی ہے
مائے مست شراب تقدیر زنداں فلک میں پابہ زنجیر
خورشید، وہ عابدِ سحر خیز لانے والا پیام "برخیز"
مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مئے شفق کا ساغر
لذت گیر وجود ہر شے سرسبز مے نمود ہر شے

کوئی نہیں غمگسارِ انسان !

کیا تلخ ہے روزگارِ انسان !

(بانگِ درا)

انسان اور بزمِ قدرت!

صبحِ خورشیدِ درخشاں کو جو دیکھا میں نے بزمِ معمورہ ہستی سے یہ پوچھا میں نے
 پر تو مہر کے دم سے ہے اُجالا تیرا سیمِ سیال ہے پانی ترے مریاؤں کا
 نہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے تیری مفضل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
 گلِ دگلزار ترے فُرد کی تصویریں ہیں یہ سبھی سورہِ دانش کی تفسیریں ہیں
 سرخ پوشاک ہے پھولوں کی، رختوں کی ہری تیری مفضل میں کوئی سبز، کوئی لال پُری
 ہے ترے خمیئر، گردوں کی عذائی جھال بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفتی پر جو نظر
 کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی مئے گلرنگِ خمِ شام میں تو نے ڈالی
 رتبہ تیرا ہے بڑا شان بڑی ہے تیری پردہ نور میں مستور ہے ہر شے تیری
 صبحِ اک گیت مرا ہے تری سطوت کا زیرِ خورشیدِ نشاں تک بھی نہیں ظلمت کا
 میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر جل گیا پھر مری تقدیر کا اختر کیونکر؟

نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سیہ روز، سیہ سخت، سیہ کار ہوں میں

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی باہم گردوں سے یا صحنِ زمیں سے آئی
 ہے ترے نور سے وابستہ مری بود و بود باغباں ہے تیری ہستی پئے گلزارِ بود
 انجنِ حسن کی ہے تو، تری تصویر ہوں میں عشق کا تو ہے صحیفہ، تری تفسیر ہوں میں
 میرے گیسے مجھے کاموں کو بنایا تو نے بار جو مجھ سے نہ اٹھا دہ اٹھایا تو نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جبت رطل کی اسی خیال میں راتیں گزاریں میں نے
 ڈرائسکین نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں سکھایا مسئلہ گردش زمیں میں نے
 کشش کا راز ہو بیدا کیا زمانے پر لگا کے اکیمینہ عقل دُور میں میں نے
 کیا ابیر شناعوں کو برقی مضطر کو بنادی غیرتِ جنت یہ مرز میں میں نے
 مگر خبر نہ ملی آہ! رازِ ہستی کی کیا خرد سے جہاں کو ترنگیں میں نے
 ہوئی جو چشمِ مظاہر پرستِ دا آخر
 تو پایا خانہ دل میں مے کیں میں نے

(ہانگِ درا)

انسان

منظرِ چمنستان کے زیبا ہوں کہ نازیبا محرومِ غسل ز گس مجبورِ تماشا ہے
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو فطرت ہی صنوبر کی محرومِ تماشا ہے
 تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا کی انسان کی ہر قوت سرگرمِ تقاضا ہے
 اس ذرہ کو رہتی ہے دعت کی ہوں بُرا یہ ذرہ نہیں شاید سٹامپا دریا ہے
 چاہے تو بدل ڈالے ہیئتِ چمنستان کی

(ہانگِ درا)

یہ ہستی، دانہ ہے، بنیا ہے، تو انا ہے!

سگر گزشتِ آدم!

سُنے کوئی مری غزیت کی داستانِ مجھ سے جھلایا قصۂ پیمانِ اولیٰ میں بنے

لگی نہ مری طبیعت ریاضِ جنت میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو بھکھو
 پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے
 دکھایا اُدوج خیالِ فلک نشیں میں نے
 کیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ نشیں میں نے
 چھپایا نورِ ازل زیرِ آستین میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آفریں میں نے
 پسند کی کبھی یوناں کی سز میں نے
 سنایا ہند میں اکہر سرودِ ربانی
 دیا رہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو
 نورِ خورشید کی محتاج ہے ہستی میری
 ہونہ خورشید تو دیراں ہو گلستاں میرا
 آہ! اسے راہِ عیاں کے نہ سمجھنے والے
 ہائے غفلت! کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز
 اور بے منتِ خورشید چمک ہے تیری
 منزلِ عیش کی جا نام ہو زنداں میرا
 حلقہٴ دامِ تنائیں اُلٹھنے والے؟
 نازِ زیبا تھا تجھے، تو ہے مگر گرمِ نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے

نہ یہ روز ہے پھر نہ یہ کار رہے

انسان اور عالم آب و گل

عالم آب و خاک و باد! سرریاں ہے تو کہ میں؟
 وہ بونظر سے ہے نہاں اس کا جہاں ہے تو کہ میں؟
 وہ شب درد و سوز و غم کہتے ہیں زندگی جسے
 اُس کی سحر ہے تو کہ میں؟ اُس کی اذال ہے تو کہ میں؟
 کس کی بنود کے لئے شام و سحر ہیں گرم سیر
 شانہ روزگار پر بارگراں ہے تو کہ میں؟
 تو کعب خاک و بے بصر! میں کعب خاک و خود نگار!
 کشت وجود کے لئے آپ رواں ہے تو کہ میں؟
 (بال جبریل)

زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرد می گزردش صورتِ باد
 عقل کو تاج فرمانِ نظر کر نہ سکا
 ڈھونڈتے والا ستاروں کی گندگاہوں کا
 اپنے انکار کی دنیا میں گزر کر نہ سکا
 اپنی حکمت کے خمِ دیچ میں الجھا ایسا
 آج تک فیصلہ، نفع و ضرر کر نہ سکا
 جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
 زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

(مغربِ کبیم)

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق مہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر شفیق
 پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں؛ ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
 انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق
 مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں بات میں سادہ و آزادہ سنانی میں قیت
 اُس کا اندازِ نظر اپنے زمانہ سے جدا
 اُس کے احوال سے خرم نہیں پیرانِ طریق

(ضربِ کلمہ)

حضرتِ انسان

جہاں میں دانش و مینش کی ہے اس درجہ آرزائی
 کوئی شے ٹھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
 کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
 نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے نہانی
 یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
 کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی
 یہی فرزندِ آدم ہے کہ جس کے اشکِ خونین سے
 کیا ہے حضرتِ یزدان نے دریاؤں کو طوفانی

فلک کو کیا خبر یہ خاکِ اداں کس کا نشیمن ہے !
 غرضِ انجم سے ہے کس کے شبستاں کی نگہبانی
 اگر مقصودِ کُل میں ہوں تو مجھ سے مادرا کیا ہے ؟
 مرے منگامہ ہائے توبہ نو کی انتہا کیا ہے ؟

(ارمغانِ حجاز)

غزل

ایں جہاں پست ہے ضمنِ خائے پندارِ آستان
 جلوۂ اُوگر و دیدۂ بیدارِ من است
 ہمہ آفاق کہ گیرم بنگاہے اُو را
 حلقۂ هست کہ از گردش پرکارِ من است
 ہستی و نیستی از دیدن و تادیدنِ ما
 چہ زماں و چہ مکاں شوخیِ انکارِ من است
 از نسوں کا ربی دل، میر و سکوں، غیبِ حضور
 ایں کہ عمار و کشائندۂ اسرارِ من است
 اُن جہانے کہ درو کاشترامی دروند
 نور و نارش ہمہ از بکھ و زنا رن است
 سازِ تقدیرم و صد لغتہ پنہاں دارم
 ہر کجا زخمۂ اندیشہ رسد تا رن است

اے من از فیض تو پا سئدہ ! نشانِ تو کجاست

ایں دو گیتی اثرِ راست، جہانِ تو کجاست

(نذرِ عجم)

غزل

ما از خدا گشتہ ایم اُو بہ جستجو است
 چوں مانیا ز مند و گرفتار آزدو است

گاہے بہ برگِ لالہ نویدِ پیامِ خویش
 در گس آر مید کہ بیند جمالِ ما
 گاہے در دلِ سینہٴ مرغِاں بہاد ہواست
 چنداں کر شمعِ دال کہ لگا ہش بگفتگو است
 آہے سحر گہے کہ زندہ در فراقِ ما
 بیرونِ داندِ دلِ زیرِ ویر و چار سواست
 نگاہِ را بہانہ تماشا کے رنگِ بواست
 پیدا چو ما مہتاب و باغوشِ کلخ کو است
 پنہاں بہ ذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز

در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است
 ایں گوہرے کہ گشہ مائیم پاکو است

(زبورِ عجم)

میلادِ آدم

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد
 فطرتِ آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
 حُسنِ لرزید کہ صاحبِ نظرے پیدا شد
 خود گرے خود کھنے، خود نگرے پیدا شد
 خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل
 حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
 آرزو بیخبر از خویش باغوشِ حیات
 چشمِ وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد
 زندگی گفت کہ در خاکِ تپیدم ہمہ عمر
 تا ازین گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

(پیامِ مشرق)

مجاورہ مابین خدا و انسان

خدا

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک پود لایساب آفریدم تو مشرب تیغ و تفنگ آفریدی

تیر آفریدی نہالِ چین را

تفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

انسان

تو شب آفریدی، چراغ آفریدم سفال آفریدی، ایاغ آفریدم

بیابان و کہسار و راغ آفریدی خیاباں و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم

من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

(پیام مشرق)

اقبال اور ٹیگور کا مقابلہ

(از جناب عبدالحمید صاحب سالک ایڈیٹر اخبار "الغلاب" لاہور)

ڈاکٹر ٹیگور بھی رخصت ہوئے۔ ان کی شاعری میں زندگی کی نوا "نرم خیز" تھی۔ وہ رنگ و آہنگ موسیقی و رقص کے والدادہ تھے۔ باغوں کے گنج۔ پھولوں سے لدے ہوئے شاخسار۔ پرندوں کے چہچہے۔ دریاؤں کی روانی۔ پہاڑی ندیوں کے گیت ان کی شاعری کا سرمایہ تھے۔ بنگالے کی خوش چشم گیسوؤں والیاں پگھٹ پرگائیں بھرتی تھیں تو شاعر کا دل رومان سے لبریز ہوتا تھا۔ آغز میں اس کا عشق خالص مجازی تھا جو عمر کے تقاضے سے حقیقت و معرفت کی نغماؤں میں پروا کر کے اٹھا۔

اس کے نزدیک انسانی زندگی کے عیش و سرور کا انتہائی تصور یہ تھا کہ چاندنی رات ہو۔ کسی خاموش ندی کے شفاف پانی پر ایک نازک سانہرا بجزائیم کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے ہلکے رہا ہو۔ اس بھرے میں ایک بنگالی حسینہ شاعر کے زانو پر سر رکھے تار کے تاروں کو نہایت نزاکت سے چھیڑ رہی ہو۔ شاعر کے سروں میں گارہا ہو۔ اور بجزائیم کے بہاؤ کے رخ بہتا ہوا اپنی کی طرف چلا جا رہا ہو اور برابر چلا جا رہا ہو۔

یہ تصور کتنا دلغریب و دلکش ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ مقصود حیات اس قدر معمولی ہے جو ذرا سے اہتمام کے بعد حاصل ہو سکے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ زندگی صرف گانے بجانے۔ چومنے اور پیار کرنے ہی کا نام ہے۔ زندگی حقیقت میں اس سے بہت مختلف اور اس سے بہت زیادہ شدید چیز ہے۔ ٹیگور کی ندی کے مقابلے میں اقبال کا دریا بہت زیادہ پُر شور ہے اور اس کے نزدیک دریا کا سفر ہی اس ندی

سے بہت مختلف ہے۔

اقبال کے تصور پر غور کرو

میاں بزمِ برسا حل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط دیا موجبِ در آویز حیاتِ جاوداں اندر تیز است

رومان اور حقیقت دو مختلف چیزیں ہیں۔ ٹیگور کے کلام میں رومان کی وہ اضرط ہے کہ حقیقت کی کہیں کہیں صرف جھلک سی نظر آتی ہے لیکن اقبال کے ہاں حقیقت کا اس قدر روبرو ہے کہ رومان ٹھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔

ٹیگور سب سے پہلے بھی شاعر تھے اور ہلکے نزدیک سب آخر میں بھی شاعر ہی تھے۔ ان کی یونیورسٹی ان کی اصلاح معاشرت۔ ان کی سیاست سب عارضی اور گریزاں چیزیں تھیں۔ ان کا شعر کسی حالت میں اپنی دلاویزی، اپنی رومانیت اور نسوانیت سے الگ نہ ہو سکتا تھا۔

لیکن اقبال سب سے اول بھی معلم اور سب سے آخر بھی معلم تھے۔ ان کی شاعری اول سے آخر تک فرد اور ملت کو زندگی کے حقائق سمجھاتی ہے اور دنیا میں رہنے کے قابل بناتی ہے۔

لیکن جب دل و دماغ دنیا کی کشمکش سود و زیاں سے تھکے ہوئے ہوں۔ جب زندگی کی جدوجہد کی کیسانی سے تو اسے عمل میں آرام کی خواہش پیدا ہو رہی ہو۔ جب زندگی کی شاہراہ حوادث کے آفتاب کی تمازت سے اس طرح تپ رہی ہو کہ مسافر کو کسی سایہ دار درخت کے نیچے سنانے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے تو ٹیگور کا کلام ایک ٹپکی سی شرب بلکہ معجونِ فلک سیر کا کام دے کر تھکے ماندے اعصاب کو کچھ دیر کے لئے سکون بخش سکتا ہے۔

مثنوی "اسرار خودی" کا مقدمہ

(از جناب چھوٹے لال صاحب)

مثنوی "اسرار خودی" ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اُس کے شائع ہونے کے بعد ہی مشہور مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے مصنف سے اُس کے ترجمے کی اجازت حاصل کی مگر ترجمہ فاضل مشرق کی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے ۱۹۲۰ء سے قبل شائع نہ ہو سکا۔

مثنوی جس فلسفے کی حامل ہے اُس کا استخراج اور استنباط خود مثنوی سے، اُس کی شاعرانہ حیثیت کی وجہ سے، نسبتاً مشکل تھا اور خصوصاً مغربی دماغوں کے لئے اور بھی دشوار تھا۔ چنانچہ فاضل مترجم نے اقبال کی اس فلسفیانہ مثنوی کو یورپ میں روشناس کرانے کے لئے خود مصنف سے ہی اس کی تشریح کی استدعا کی۔ انہوں نے اپنے نظریہ خودی پر جو اُن کی مثنوی کی بنیاد ہے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ وقتی طور پر لکھ دیا۔ ڈاکٹر نکلسن نے اُس کو بحسن و خوبی اپنے مختصر مقدمے میں شامل کر دیا ہے۔ ذیل میں اقبال کے اسی انگریزی مقدمہ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے اُن کا اردو مقدمہ جو اس مثنوی کی پہلی اشاعت میں شامل ہے اور یہ انگریزی مقدمہ دونوں مل کر مثنوی "اسرار خودی" کے فلسفیانہ پس منظر کو سمجھنے کے لئے غالباً مفید ہوں۔

نکلسن کی رائے میں اقبال ایک مذہبی فلسفی یا محکم ہیں۔ وہ جس طرح مشرقی خیالات کے ماہر ہیں اُسی طرح مغربی علوم کے بھی متبحر نقاد ہیں۔ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات میں نئے اور برگسان سے متاثر ہیں۔ انہوں نے اُن سے صحیح استفادہ کر کے اپنا مستقل نظام فلسفہ پیش کیا ہے۔ اُن کے احاسات

ایک پر جوش مسلم کے احساسات ہیں۔ اُن کا اسلام سے یہ عقیدت مندرجہ تعلق دنیا میں ایسی حکومت چاہتا ہے جس میں مسلمانوں کے لئے قومیت اور وطنیت کی رکاوٹیں حائل نہ ہو سکیں۔ اُن کا نصب العین ایک ایسی آزاد مسلم برادری کا قیام ہے جس کا مرکز کعبہ ہو اور جو ایمان اور ایمان کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسول پر مضبوط عقیدہ رکھتی ہو۔ اقبال نے اپنی مثنوی ”اسرار و رموز میں اسی کی تعلیم دی ہے۔ اُن کی دور بین نظر نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ہندو عقلیت اور مسلم تصوف نے قوموں سے قوتِ عمل چھین کر اُن کو پابج بنادیا۔ حافظ ”پُر اُن کا انتقاد حقیقتاً اسی تباہ کن تصور کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کرنا ہے۔ اسی نقطہ نظر سے اُنہوں نے ایسے تصویری فلسفے اور متصوفانہ شاعری سے شدید اختلاف کیا ہے جس میں سب کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو۔

نکلسن کا اقبال مرحوم کے متعلق یہ خیال صحیح ہے کہ وہ مغربی خیالات سے متاثرین رہاں تک مٹنے سے متاثر ہونے کا تعلق ہے۔ اقبال نے شدید انکار کیا ہے، اور اُن کے لئے متاثر ہونا اگر یہ بھی تھا لیکن ”فلسفہ عجم“ کے مصنف کے ساتھ یہ بے انصافی ہو گی کہ اُس کے خیالات کا ماحض مغربی فلسفے کو قرار دیا جائے۔ اقبال کے نظام میں مغربی اور شرقی دونوں قسم کے مفکرین کے نقاطِ نظر کی نمائندگی ہے اور اُن سب کو آمیز کر کے اُنہوں نے ایک مستقل فلسفیانہ نظام کی تشکیل کی ہے۔

(مترجم)

(۱) مثنوی ”اسرار خودی“ کی فلسفیانہ اساس

برٹلے نے کہا ہے ”یہ کہ تجربہ کو محدود مرکز میں ہونا چاہیئے اور محدود ہنریت کی شکل اختیار کرنا چاہیئے بالآخر ناقابلِ تشریح ہے، وہ تجربات کے ان ناقابلِ تشریح مرکوزوں سے شروع کر کے ایک طرح کی وحدت پر پہنچ جاتا ہے جس کو وہ ”مطلق“ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس میں محدود مرکز اپنی محدودیت اور امتیاز کھو دیتا ہے۔ اُس کے قول کے مطابق محدود مرکز محض نمونہ ہیں۔

اُس کے نزدیک واقعیت کی معیاری خصوصیت شمولِ کل اور عموم ہے اور چونکہ ہر قسم کی محدودیت و اضافیت سے متاثر ہے لہذا مؤخر الذکر (یعنی محدودیت) محض دھوکا اور القباس ہے۔ لیکن میرے خیال میں تجربہ کار یہ ناقابلِ تشریح محدود مرکز کائنات کی بنیادی حقیقت ہے۔ زندگی شخصی اور انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ عمومی یا کلی حیات کی کوئی حقیقت نہیں ہے غذا خود شخصیت اور انفرادیت ہے، جو کماتا اور کال تریں ہے۔ ڈاکٹر میٹنگرٹ نے لکھ لکھ کر "کائنات شخصیتوں اور انفرادیتوں کے امتیاز و اجتماع کا نام ہے" مگر اس پر اتنا اضافہ اور چلے آئے، کہ اس اجتماع اور امتیاز کی ترتیب اور اُس میں توازنِ ادلی اور کمل نہیں ہے؛ بلکہ یہ دانستہ اور باشعور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہم درجہ بدرجہ نظم کے نظم کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اس کی تکمیل میں امداد سے رہے ہیں۔ اس امتیاز اور اجتماع کے امکان مقرر اور متعین نہیں ہیں۔ بلکہ اس اہم کام میں تعاون کے لئے نئے نئے رکن برابر آئے ہیں کائنات ایک مکمل عمل نہیں ہے بلکہ ہنوز تکمیل کے راستے میں ہے۔ کائنات کے متعلق کوئی مکمل صداقت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وہ خود ابھی تک کل یا مکمل نہیں بن چکی ہے، بلکہ تخلیقی عمل ہنوز جاری ہے۔ اس بے نظمی کے کسی نہ کسی حصے میں نظم پیدا کرنے کا جہان تک تعلق ہے انسان بھی اپنا حق ادا کر رہا ہے۔ قرآن میں خدا کے علاوہ دوسرے خالقوں کے امکان کا اشارہ موجود ہے رَوَّلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ۔ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا لَعَلَقَةً مُصْعَعَةً فَخَلَقْنَا الْمُصْعَعَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ) ظاہر ہے کہ انسان اور کائنات کا یہ تصور انگریزی "ٹو میگی" تصور اور رابطہ ساتھ وحدت وجود کے حامی تصورات کی ایسی سب صورتوں کے خلاف ہے جو ایک عالم گیر حیات یا روح میں جذب ہو جانے کو انسان کا آخری نصب العین اور اُس کی نجات قرار دیتے ہیں۔ انسان کا اخلاقی اور مذہبی

نصب العین اپنی نفی نہیں ہے بلکہ اپنا اثبات ہے۔ وہ اس نصب العین کو زیادہ سے زیادہ منفرد اور زیادہ سے زیادہ یکنا اور کامل ہو کر ہی حاصل کر سکتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ یعنی اپنے آپ میں صفات الہی پیدا کر دو۔ چنانچہ سب سے زیادہ یکنا شخصیت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہ ہو کر انسان یکنا ہو جاتا ہے۔ لہذا حیات کیا ہے؟ انفرادیت۔ اُس کی اعلیٰ ترین صورت اس وقت نکلتی ہے کہ انا یا خودی ہے جس میں انفرادیت اپنے علاوہ دوسری چیزوں کو اپنے آپ سے خارج کر دیتی ہے اور ایک محیط بالذات مرکز ہو جاتی ہے۔ جسمانی اور روحانی دونوں اعتبار سے انسان ایک محیط بالذات مرکز ہے، لیکن وہ ہنوز مکمل انفرادیت نہیں۔ اُس کا خدا سے جدا بعد ہوتا ہے۔ اتنی ہی اُس کی انفرادیت ضعیف ہوتی ہے۔ خدا سے سب سے زیادہ قریب سب سے زیادہ کامل ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں، کہ وہ خدا میں جذب ہو جاتا ہے بلکہ برضات اس کے وہ خدا کو اپنے آپ میں جذب کر لیتا ہے۔ صحیح اور حقیقی فرد بادی عالم کو ہی اپنے آپ میں جذب نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اُس بدعا یا پاکر خود خدا کو بھی اپنے انیس جذب کر لیتا ہے۔ حیات ایک جذب کرنے والی انگلی کی طرف حرکت ہے۔ یہ اپنی رفتار میں ہر قسم کی رکاوٹوں کو جذب کر کے دور کر دیتی ہے۔ نصب العینوں اور آرزوؤں کی متواتر تخلیق اُس کی خاصیت ہے۔ اُس نے اپنی توسیع اور تحفظ کے لئے اپنے میں سے ہی حواس، عقل وغیرہ جیسے آلات ایجاد کر لئے ہیں یا اُن کو نشوونما دیا ہے جو رکاوٹوں کو جذب کرنے میں اُس کے معاون ہیں اور حیات میں سب سے زیادہ مشکل رکاوٹ مادہ اور فطرت ہے لیکن فطرت شر نہیں ہے کیونکہ یہ حیات کی مخفی طاقتوں میں کھلنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔

”انا کو اپنے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے سے آزادی حاصل ہوتی ہے۔ وہ ایک مددگار

آزاد ہے اور ایک مددگار سفیر یا طے شدہ۔ مکمل آزادی آزاد ترین انفرادیت خدا پر متوجہ ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیات نام ہے آزادی کے لئے جدوجہد کا۔

(۲) انا اور شخصیت کا تسلسل

مرکز حیات انسان میں "انا" یا شخصیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ شخصیت ایک تکاشفی اور تنجاذی حالت ہے جو اس تکلف کو قائم رکھنے سے ہی قائم رہ سکتی ہے۔ اگر تکاشفی اور تنجاذی حالت قائم نہ رہے تو اضمحلال واقع ہو جائے گا۔ شخصیت یا تکاشفی و تنجاذی حالت کا قیام انسان کا قیمتی کارنامہ ہے اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اضمحلال کی حالت کی طرف نہ لوٹ جائے۔ جو شخص اس تکاشفی و تنجاذی حالت کو قائم رکھنے کا باعث ہوا وہی ہمیں غیر فانی بنانے کی باعث ہے۔ شخصیت کا تقوید ہمارے سامنے قدموں کا سیار پیش کر دیتا ہے، اور خیر و شر کے مسئلہ کو طے کر دیتا ہے۔ جو شخص شخصیت کو استحکام بخشے اچھی ہے۔ اور جو اس کو کمزور کرے بری ہے۔ فنونِ انساب اور اخلاقیات کا فیصلہ شخصیت کے نقطہ نظر سے ہی کرنا چاہئے۔ اظالموں پر میرے اعتقاد کا رخ حقیقتاً اُن تمام نظا ہمارے فلسفہ کے خلاف ہے جو زندگی کے مقابلے میں فنا کو نصب العین قرار دیتے ہیں، وہ نظام جو زندگی کی سب سے بڑی رکاوٹ یعنی مادے کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اس کو جذب کرنے کے بجائے اس سے بھاگنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ جس طرح "انا" کی آزادی کے سلسلے میں مادے کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اسی طرح اس کے غیر فانی ہونے کے سلسلے میں مسئلہ زمان سامنے آ جاتا ہے۔ برگسان ہمیں بتاتا ہے کہ زمان ایک لائقِ اہم خطہ اپنے مکانی مفہوم میں نہیں ہے جس سے خواہ مخواہ ہمیں گزرنا ہی ہے۔ زمانے کا یہ تصور صحیح نہیں۔ حقیقی زمانے میں کوئی طول نہیں ہے۔ شخصی بقا ایک تسلسلہ ہے اور اگر تم اس کے حصول کی کوشش کرو تو حاصل کر سکتے ہو۔ یہ حصول اس زندگی میں تفکر و عمل کے اُن طریقوں کے اختیار کرنے پر موقوف ہے جو تکاشفی و تنجاذی حالت کو قائم رکھنے کے باعث ہوں۔ بدھ مت، ایرانی تصوف اور اسی طرح کے دوسرے نظا ہمارے اخلاقیات کو ہمارے مقصد کے مطابق نہیں، لیکن وہ بالکل بیکار

بھی نہیں ہیں، کیونکہ شدید جدوجہد کے بعد کچھ وقت کے لئے ہمیں سُکُن اور خواب اور چیزوں کی ضرورت ہے۔ حیات کے روشن دنوں میں تفکر و عمل کی یہ صورتیں راتوں کی حیثیت رکھتی ہیں چنانچہ اگر ہم اسے عمل کی توجہ تکالفی و تجاذبی حالت کے قائم رکھنے کی طرف ہے تو موت کا صدر اُس پر اثر انداز نہ ہوگا۔ موت کے بعد اضلال کا ایک وقفہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ قرآن نے برزخ یا ایک درمیانی حالت کے متعلق بیان کیا ہے جو لوہم حشر تک قائم رہتا ہے۔ اس حالت میں وہی "انا باقی" ہیں گے جنہوں نے اس زندگی میں کافی نگہداشت کی ہے گو حیات اپنے ارتقا میں اعلیٰ اور تکرار سے متنفر ہے پھر بھی بقول "دولن کارہ برگسان" کے اصول کے مطابق جسمانی حشر ممکن ہے۔ زمانے کو لمحات میں تقسیم کر کے اُس کو مکانی بناتیے ہیں اور پھر اُس پر غالب آنے میں دشواریاں محسوس کرتے ہیں۔ زمانے کا صحیح انداز، اپنے باطن کی گہرائی میں نظر ڈالنے سے ہوتا ہے حقیقی زمانہ خود حیات ہی ہے، جو اپنے آپ کو اُس وقت تک کی حاصل شدہ تکالفی و تجاذبی حالت شخصیت کو قائم رکھ کر ہی محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ہم زمانے کے اُس وقت تک ماتحت ہیں جب تک کہ ہم اُس کو مکانی سمجھیں۔ مکانی زمانہ ایک قسم کی بیڑی ہے جس کو حیات نے اپنے لئے گھڑ لیا ہے تاکہ موجودہ ماحول کے مطابق بن سکے۔ حقیقتاً ہم غیر زمانی ہیں اور یہ ممکن ہے کہ اسی زندگی میں ہم اپنے غیر زمانی ہونے کو محسوس کر لیں گو یہ کشف اور احساس ایک آئی ہی ہو۔

(۳) انا کی تقسیم

انا کا انضمام عشق سے ہوتا ہے یہ لفظ اس موقع پر بہت وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی ہیں جذب کر لینے اور اپنے آپ میں سمو لینے کی خواہش۔ اس کی سب سے اعلیٰ صورت قدروں اور نسل العینوں کی تخلیق اور اُن کو ایک واقعیت بنا لینے کی کوشش ہے۔ عشق،

عاشق اور معشوق دونوں کو منفرد بنا دیتا ہے۔ سب سے زیادہ یکساں شخصیت کی واقعیت کو مان لینے کی کوشش طالب کو منفرد بنا دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مطلوب کی انفرادیت کو متضمن ہوتی ہے، کیونکہ کوئی دوسری شے طالب کی نظرت کو مطمئن نہیں کر سکتی جس طرح عشق "انا" کو مستحکم کرتا ہے، اُسی طرح سوال اُس کو کمزور کرتا ہے۔ جوشی بھی شخصی جدوجہد سے حاصل نہ ہو، سوال کے ہی تحت ہے۔ ایک مالدار شخص کا بیٹا جس کو باپ کی دولت وراثت میں ملی ہے، ایک بھکاری ہے یہی حال اُس شخص کا ہے، جو دوسروں کے خیال کو سامنے رکھ کر سوچتا ہے۔ لہذا "انا" کے استحکام کے لئے ہمیں عشق یعنی جذب کر لینے والے عمل کی طاقت کو نشوونما دینا چاہئے، اور ہر قسم کے سوال یعنی بے عملی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت میں جذب کر لینے والے عمل کا سبق موجود ہے اور خصوصاً ایک مسلمان کے لئے۔

مثنوی کے دوسرے حصے میں میں نے اسلامی اخلاقیات کے عام اصولوں کی طرٹ اشارہ کیا ہے اور شخصیت کے تصور کے سلسلے میں اُس کے معنی کے امکانات کی کوشش کی ہے یکتائی کی جانب حرکت کرنے میں انا کو تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

(۱) قانون کی پابندی۔

(ب) ضبط نفس جو خود اگاہی یا انسانیت کی سب سے اعلیٰ صورت ہے۔

(ج) نیابت الہی۔

نیابت الہی اس زمین پر انسانی نشوونما کا تیسرا اور آخری درجہ ہے۔ نایب کی حیثیت کرہ زمین پر خلیفۃ اللہ کی ہے۔ وہ کامل ترین "انسان" ہے۔ انسانیت کا مقصد مذہبی اور مادی دونوں قسم کی حیات کا منتہی ہے۔ اُس میں ہماری ذہنی زندگی کی بے آہنگی ہم آہنگی میں جاتی ہے۔ اُس میں اعلیٰ ترین طاقت اعلیٰ ترین علم کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اُس کی زندگی میں خیال و عمل، استدلالی اور فکری علم سب

ایک ہو جاتے ہیں۔ نخل انسانیت کا وہ آخری ثمر ہے۔ اس لئے پُر اذیت ارتقا کے تمام ابتلا حق بجانب ہیں کئی نتیجے میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ نوع انسان کا وہ حقیقی حاکم ہے۔ اُس کی حکومت خدا کی حکومت ہے وہ اپنی متاریع فطرت میں سے دوسری پر حیات کی دولت لٹاتا ہے اور اُن کو قدر بجا اپنے آپ سے قریب لانا رہتا ہے۔ ارتقاء میں ہم جتنا اُگے بڑھتے ہیں اتنا ہی اُس سے نزدیک ہو جاتے ہیں۔ اُس تک پہنچنے میں ہم معیارِ حیات کے اعتبار سے اپنے آپ کو بلند کرتے ہیں۔ جسم و ذہن دونوں کے اعتبار سے انسانیت کا نشو و نما اُس کی پیدائش کے لئے ایک مقدم شرط ہے۔ اگرچہ فی الحال اُس کی حیثیت ایک لُغْب العین کی سی ہے مگر انسانیت کے ارتقاء کا رُخ، کم و بیش یکساں افراد کی جمہوریت پیدا کرنے کی طرف ہے جو اُس کے لئے مناسب اور موزون ”آبا“ ہوں گے۔ زمین پر خدا کی حکومت کے معنی دُنیا کی ممکن بلند ترین شخصیت کے تحت کم و بیش یکساں افراد کی جمہوریت ہے۔ نشتے کو اس معیاری اور لُغْب العین نسل کی ایک جھلک محسوس ہو گئی تھی لیکن اُس کے الحاد اور اعلیٰ طبقے کے لئے اُس کی مصیبت نے اُس کے پورے تصور کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

خدمت

(جناب نعیم صدیقی صاحب)

عہدِ حاضر کی یعنی تہذیب نے جو تحالفت مسلمانوں کو دیئے ہیں ان میں "خدمت" کا جدید مفہوم بھی شامل ہے۔ مسلمان کا دہن دھڑا دھڑا اس مفہوم کو قبول کر رہا ہے۔ اور آج صورتِ حالات یہ ہے کہ زنا اور سود کو فروغ دینا انہر وادہ گاندھی کی چوکھٹ پر سجدہ کے لئے دوسروں کو پکارنا، لینن اور کارل مارکس کے عقائد کی تعلیم دینا ایک مسلمان کی نظر میں قومی خدمت بنتا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں آخرت سے کھانا کسی طرف سے یورپین جمہوریت کی دعوت دی جاتی ہے۔ معاشرت کا فرنگی ضابطہ ہم میں نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ علوم و فنون کی بنیادیں اتحاد و دیرسیت نفیس پرستی اور اجوار پرستی جاتی ہیں۔ جنت، دوزخ، قیامت، دعا، نکاح، طلاق، غلامی، تعدد ازواج، اجہاد پیغروں اور فرشتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ رطفیانِ دہائی کے ان سارے مظاہر کو ذہنی خدمت سے تعبیر کر کے اسلام کے نکلے پر چھری پھری باقی ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد سینے پر ہاتھ دھر کر اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ وہ اسلام جو پہاڑ کی طرح اٹل اور لوہے کی طرح سخت تھا۔ قرینِ ادلی کے مسلمانوں کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ آج کا اسلام تو بڑکا جاتا ہوا ہے جس طرف سے چاہے کھینچ کر لبا کر لو۔ جہاں سے چاہو کسی حصے کو ہانڈو اس گڑبھ کو مطلقاً روکا نہ جاسکتا اگر قرآن اور حدیث ہماری ہدایت کے لئے موجود نہ ہوتے۔

ہم یہاں یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یورپ نے خدمت کا کیا مفہوم مقرر کیا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ کے انسان کی ساری زندگی بدل گئی تھی۔ اس کے سارے

شعبوں پر انقلابات کا تند و تیز سیلاب گزر چکا تھا انقلاب شدید عمل اور شدید رویوں کا درمیانی واسطہ ہوتا ہے۔ وہ شدید عمل جس سے یورپ کا انسان تنگ آ چکا تھا۔ مذہب کے دھڑے میں بھی سکے اجارہ داروں کی طرف سے شروع تھا۔ اور سیاسیات کے دائرے میں تاجداروں اور جاگیرداروں نے برپا کر رکھا تھا۔ مذہبی عمرانی زندگی میں امداد دینے کی بجائے سب راہ تھا۔ کیونکہ وہ انسانی زندگی کو صرف رہبانیت ہی کے سانچے میں ڈھالنے کا طریقہ بناتا تھا۔ اور میدان سیاست میں سائے حقوق و اختیارات تاجداروں اور جاگیرداروں نے سمیٹ کر انسانی فطری آزادی کا گھنا گھٹوٹ رکھا تھا۔ انسان کی فطرت آخر تڑپ کر اٹھی۔ اور اس نے ایک ہی تڑپ میں دونوں دھن توڑ کر پرے رکھ دیئے۔ اب مذہب کی طرف سے عملی زندگی میں رکاوٹ ڈالنے کا عمل مجبوری ختم ہو چکا تھا۔ اور سیاسیات میں عوام کی حکومت کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ معاشرتی و معاشی دائرہ میں یہ کوشش ہو رہی تھی کہ فرد کی آزادی کا زیادہ سے زیادہ تحفظ کیا جائے یہی خیال اپنی حدود کو چھوڑ کر جماعت کو فرد پر قربان کر دینے کا موجب بنتا گیا۔ الغرض ساری زندگی کے نظام میں انفرادی آزادی کو حدود سے متجا وز ہو جانے کے لئے حالات انہی کئے گئے۔ عملی مذہب کے خاتمہ کے بعد حکومت کی مشینری پر عوام کو جو قبضہ حاصل ہو گیا تھا۔ اور مزید یہ کہ انفرادی آزادی کا خیال زور دل پر تھا۔ ان ساری چیزوں نے انسان کے ذہن اور جسم کو آزادانہ کام کرنے کا موقع دیا۔ یہاں پہنچ کر خدمت کی کوئی مخصوص حدود اور کوئی مخصوص معیار باقی نہیں رہتا۔ بلکہ عمل کو بنی نوع انسان یا قوم کی خدمت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اٹھارویں صدی سے یورپ کی وہ تاریخ شروع ہوتی ہے جس میں لذت اندوزی انسانیت کا منہاٹا مقصود قرار پاتی ہے یہی لذت اندوزی کی خواہش چاہتی ہے کہ انفرادی آزادی کا دائرہ غیر محدود ہو۔ اس کے ماتحت ہی ایک اہل قلم جذبات انگیز انسان نے ادغلی ڈرامے لکھ کر اپنے آپ کو قومی خادم سمجھتا ہے۔ ایک ایکٹرس جو ہر شب کو ہزاروں شہوت کے غلاموں کے سامنے تھک کر سوتے ہوئے

شیطانوں کو جگاتی ہے۔ اپنے زعم میں نوعِ انسانی پر بڑا احسان فراتی ہے۔ ایک شاعر غمش گیت گا کر ایک مصور نیکی تصویریں بنا کر ایک سرمایہ دار جوئے اور سٹے کا کاروبار جاری کر کے ایک ماہو کار سود کی شکل میں نوعِ انسانی کا خون چوس کر، ایک جبرئیل کسی کم طاقت قوم کو اپنے میٹھن اعداد و شمار کے پاؤں تلے روند کر قومی خادم کہلاتا ہے۔ شراب خانے اور زنا کاری کے اڈے انسانی خدمت کے مرکز بن جاتے ہیں یہ سب کچھ اس انفرادی آزادی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہوا تنساکے مریض کی طرح بتے بلبانہ شہوات کے چشمہ کی طرف لپکتی ہے۔ ہر جرعہ آب اس کی پیاس کو اور بڑھا دیتا ہے۔ وہ اکیں و توانین کی گرفت کو "حکومتِ عوام" کے ذریعے اور ڈھیلا کراتی ہے۔ تا آنکہ اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور قوم کی تو کم کسی دوسری طاقت کی غلامی میں چلی جاتی ہے

سیاسات کے میدان میں تشریف لائیے۔ الیون اسے حکومت میں آپ کو مختلف انجیل پارٹیں نظر آئیں گی۔ کوئی مزدور دل کی حالت کو نصب العین قرار دیتے ہوئے کسی نے سرمایہ داری کے حقوق کی حفاظت کا فرض اپنے ذمے لیا ہو ہے۔ کوئی انتہا پسند ہے کوئی اعتدال پسند کسی کو جدت سے پیار ہے کوئی قدامت پرستی میں عکسِ امول ہے۔ ایک طرف ٹوریلوں کا گروہ ہے۔ دوسری طرف آزاد خیال براجمان ہیں۔ الغرض مختلف منزلوں کی طرف مختلف طریقوں سے قدم بڑھایا جا رہا ہے۔ یہ تشدد و افتراق کہاں سے آیا ہو کیا اس کی بنیاد دین کی اسی ناروا آزادی پر نہیں ہے۔ جس کے لئے نہ وحی الہی کی مقرر کردہ حدود باقی ہیں۔ نہ عقل سلیم کا کوئی ضابطہ۔ ہر شخص آزاد ہے کہ کوئی ساختہ مقبوضہ اپنے لئے متعین کرے۔ کوئی سی راہ اپنے لئے پسند کرے۔ اور کسی طریقے سے اپنے سفر کو شروع کرے۔ نسل و وطن کی محبتیں بلاشبہ ان کے سامنے اپنی نسل کی ترقی اور اپنے وطن کی کامیابی کے نصب العین رکھتی ہے۔ لیکن نسل کی بہبودی اولیٰ وطن کی سرفرازی کا معیار ہر شخص کی نگاہوں میں ایک نہیں ہو سکتا۔ اور نہ طریقہ لئے کا یہی ایک ہو سکتے ہیں۔

تیسرے انفرق و شت کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک ہی نسل اور ایک ہی وطن میں رہنے والے مختلف اخبار جماعتیں اور قائد مختلف معیار ہائے ترقی و کامیابی پیش کر رہے ہیں۔ اور کامیابی کے حصول کے لئے الگ الگ استوں کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ ایک مشرق کی طرف کھینچتا ہے۔ دوسرا مغرب کی طرف۔ اور اس کا نتیجہ کیا ہو رہا ہے۔ کہ دنیا کی سلطنتوں کو اندرونی کشمکش کھلے جا رہی ہے۔ اور دوسری چیز جسے قرآن "فتنہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے ہر شے کے نیچے پرورش پا رہی ہے

پھر انفرادی آزادی نے ابوابِ رستی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور انفرادی و اجتماعی اخلاق ایک نئی نیچ پر ترتیب پانے لگے ہیں نئے ضابطہ اخلاق میں فتنہ شہوات کے سیلاب کو روکنے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ بلکہ امن و سکون کو تباہ کرنے کے لئے اسے کافی آزادی عطا کی گئی ہے۔ لیکن قرآن اس چشمہ کو پہلے ہی بند کر لیتا ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں "حدودِ الہی" کی پابندی کو لازمی کر دیتا ہے۔ پھر یہی ہی کنجی کشتوں کا سد باب اس تقویٰ سے کر دیتا ہے۔ جسے پیدا کرنے کے لئے چند بنیادی باتوں کو فرض کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَعِيدٌ هُدًى مِنَ اللَّهِ۔ اس سے زیادہ گمراہ کون ہے۔ جس نے ہدایتِ ربانی سے روگردانی کر کے اہواءِ نفس کی پیروی کی۔ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّ لَهُمُ النَّارَ وَالشَّيَاطِينَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ دُونِ اللَّهِ دِيحْسَبُونَ إِنَّهُمْ مُمْتَذِنُونَ ۝ (۸-۱۰) خدا تعالیٰ نے اپنے رحم و کرم سے ایک فریق کو ہدایت دی۔ اور ایک فریق گمراہی میں رہ گیا۔ اس گمراہی کا سبب کیا ہے؟ بس یہ کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنا رکھا ہے اور پھر اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ یہ صورت بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ لوگ اپنی ابوابِ رستی کے طفیل گمراہ ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنی گمراہی کو ہی ہدایت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس گمراہی کی تبلیغ بطور ہدایت ہی کرتے لگتے ہیں۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا لَمْ نَحْنُ مُفْسِدُونَ۔ اَلَا لَهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ

شیطان کے پیرو اور بغی و فساد کے علمبردار بھی اپنے آپ کو مصلح بنی نوع انسان اور خادمِ خلق سمجھنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حجب بھی فساد سے روکا گیا۔ انہوں نے اپنی نقتہ انگیز یوں کو ”اصلاحِ بین الناس“ قرار دے کر کان بند کر لئے۔ حجب بھی انہیں تبلیغِ باطل یا افعالِ شبیعہ سے روکا گیا، انہوں نے ”ان اُسرینا الا اِلصلاَحَ مَا سَتَطْعُوْهُ“ کہہ کر اپنے آپ کو انبیاء کے مقام پر لاکھڑا کیا۔ لیکن ان کے غلط انداز سے یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ یہ لوگ فساد ہی۔ تباہی کے پائی ہیں شیطان کے نمائندے ہیں۔ ان کے دماغ میں وہ قوت ہی نہیں رہی۔ جو حق و باطل کو الگ الگ پہچان سکے۔ خود ان کا سرگردہ الیس بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہے۔ ”وَقَاتِلْهُمْ اِنِّیْ لَکُمُ الْمُکْرِمُ النَّصِیْحِیْنُ“ شیطان بھی اپنے پیروؤں کو قسمیں کھا کر ہی کہتا ہے۔ کہ میں تمہیں نصیحت کرنے والا ہوں۔ تم انسانوں کا خادم ہوؤ۔ کاروانِ انسانیت کے رہزن بھی رہزروں میں اکڑ کر جاتے ہیں۔ غولِ بیابانی بھی وہی جامہ پہن لیتے ہیں جو خنجر راہ کے لئے خاص ہے۔ اب ضروری ہو جاتا ہے کہ حق و صداقت کا کوئی خاص معیار ہو۔ ہدایت و نصیحت کی کوئی خاص پہچان ہو۔ خدمت اور عداوت میں کوئی وجہ تمیز ہو۔ پس اسی ضرورت کے پورا کرنے کو قرآن اور حدیث ایک ممان کی نگاہ میں کافی ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ اور سننِ نبویہ کی کوئی پرکھ اور کھٹا جدام ہو جاتا ہے، خدمت اور عداوت میں تمیز ہونے لگتی ہے۔ اصلاح اور عداوت میں حدود قائم ہو جاتی ہیں۔ ”وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حَکِیْمًا عَرَبِیًّا ۙ وَکَرِیْمًا ۙ اَتَّبَعْتَ اَهْوَاۡهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَکَ مِنَ الْوَحْیِ الْعَلِیْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وِیۡی ۚ وَکَاۡلِیۡصِیۡرٍ ۙ (۱۳-۱۱) قرآن اس لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ تمہیں حق و صداقت اور دروغ و باطل کی پہچان ہو جائے۔ اگر نزولِ قرآن کے بعد بھی خدمت و اصلاح کے پردے میں فساد انگیزی کرنے والے اہوا پرستوں کی پیروی کی گئی تو پھر اللہ کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں لیکن ہندوستان میں دل و دماغ کے اڈنٹ ہو جانے کی وجہ سے اہوا پرستوں کی غیر اسلامی حرکت کو نہ صرف گوارا کیا جا رہا ہے۔ بلکہ ان کے دھوئی کے مطابق ان کے جائز و ناجائز اعمال و کردار کو خدمتِ قوم، خدمتِ اسلام اور خدمتِ نبی نوع انسان

سمجھا جا رہا ہے۔

نوجوانانِ ملتِ اُجں کے اعمال پر قوم کی زندگی و موت کا انحصار ہے مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر اپنے نظامِ تمدن کے صاف ستھرے حوض میں یورپ کے جوہر کا گنداکچھڑا کر ملا ہے ہیں۔ اور قرآن سے دلائل مہیا کرتے ہیں کہ بس صرف اسی طرح ہمارا پانی آپ حیات بن سکتا ہے۔

تہذیبِ فرنگ کی ظاہری جھلک دکھائی بنیاد ابھار پرتی بے حیائی، تصفیٰ آوازی اور انفرادی آزادی پر قائم ہے۔ نوجوانوں کے دل بے اختیار ان چیزوں کی طرف کھینچتے ہیں شہوات کا شیطان اندر سے انہیں شہ دیتا ہے۔ اور وہ دن بدن اس لمحہ تہذیب کے اصولوں کو تبدیل کرنے میں سرعت دکھا رہے ہیں۔ یہاں کا احوال دن بدن شہوت پرستانہ بن رہا ہے ہر گھر میں آرٹ گیلریاں ہیں، اگر موفون اور ریڈیو ہیں، انیڈاؤنگنگار کے ساز و سامان ہیں۔ اور وہ سب کچھ ہے جو مغرب نے زندگی کے لئے پلایا۔

کیا ہے۔ چونکہ اس سارے سلسلے کے متعلق یہ تبلیغ ہو رہی ہے کہ یہ سب کچھ تمدنی ترقی ہے، اور اسلام بھی تمدنی ترقی چاہتا ہے۔ اس لئے اسے قبول کرنا اور فروغ دینا خدمتِ قوم ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہرگز ناکس ترکوں کی طرح تہذیبِ جدید کے ہر اچھے بڑے اصول اور ہر اچھے بڑے مظہر کو قبول کرتے ہوئے یہ یقین رکھتا ہے کہ اسلام کو اس سے کوئی صنفِ دضرر نہیں پہنچتا۔ اب اس تہذیب کی ضروریات پوری

کرنے کے لئے جو کاروائیوں نے، دار سے اور دکانیں قائم کی جاتی ہیں، انہیں خدمتِ اسلام کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ سُبْحَانَ اللہ! کیا خوب ریڈیو پر لکے کچھ طرحِ غش گیت گائیں تو دین، مصطفیٰ پر احسان، سینا کی شمع پر رانوں اور پستانوں کو ننگا ہوں کے سامنے عریاں لانے والی کوئی مس زبیدہ کسی فحش ڈرامے میں ایکٹ کریں تو ”خدمتِ وطن“ اور اگر کوئی بیسوا کسی غلامِ نفس کی آغوش میں گندی حرکات سے بنگ کی چوہوں کو مجبورِ نغاس کر رہی ہو تو ماشاء اللہ خدمتِ بنی نوع انسان۔ آخر لفظ ”ترقی“ کا معنی اور

میدار کیا ہے۔

یہ متقی ترقی، ”عمل عمل“ اور ”خدمت خدمت“ لپکارنے والے اپنے مفہوم ذہنی کو واضح کیوں نہیں کرتے؟ یورپ کی سمورے مشرق کو کیا فتح کیا۔ مشرق کے ذہن پر مغلوب ہو گئے۔ دریا پہاڑ اور زمین ہی اغیار کے قبضے میں نہیں گئے۔ دل و دماغ پر بھی دشمنوں کا قبضہ ہو گیا۔ اب جو اچھائی یا بُرائی مغرب سے سرٹھاتی نظر آتی ہے اس کے فروغ کے لئے ہمارے قائد اور اہل قلم، ہمارے شعرا اور صحیفہ نگار، ہمارے تاجدار و سربراہ دار پہلے ہی سے میدان تیار کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ قرآن کی آیات سے یورپ کی ہر گڑبڑ کو گاریٹھواب ثابت کرنے کے لئے بڑے بڑے ادیب اور بڑے بڑے مقرر مصروفِ عمل ہیں۔ اور آج انہیں کے جہاد مسلسل کا نتیجہ ہے کہ اسلامی دل و دماغ اسلامی دل و دماغ نہیں رہا۔

انجمن سازی کی جو دہا بند رستان میں داخل ہوئی اس کا فروغ اس امر پر منحصر ہے کہ مختلف شعبہ جات کو الگ الگ فرض کیا جائے۔ چنانچہ مذہب، سیاست، اخلاق، اقتصاد اور معیشت کے دائرے علیحدہ علیحدہ کھینچے گئے۔ یہیں سے گنگا جمنی انجمنوں، جماعتوں، مجلسوں اور اداروں کی ابتدا ہوتی ہے۔ کہیں طبقات میں تحقیقاتیں کرنے کے لئے کوئی سوسائٹی قائم ہو رہی ہے کہیں علمائے اسلام و مذہب کے فروغ کے لئے انجمن کی تاسیس کرتے ہیں تیسری طرف سیاسی ترقی کے لئے کوئی لیگ قائم ہو رہی ہے۔ کہیں فوجی تحریک کا آغاز ہو رہا ہے۔ کسی جگہ سے اشتراکیت کا چشمہ بھوٹ نکلتا ہے حال یہ ہے کہ ان سارے اداروں اور جماعتوں کی بنیادیں علیحدہ علیحدہ نظریوں پر قائم ہیں۔ مقاصد جدا ہیں طریق کار الگ ہیں۔ راستے مختلف ہیں۔ نہ قدر و قیمت کا معیار ایک، نہ طرز فکر ایک، اور نہ اسلام کا تصور ایک۔

ایک آیت اسلامیہ کے اندر چھوٹی چھوٹی سینکڑوں ملتیں سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ ہر ملت کا کلمہ جامعہ ہی الگ ہے۔ پھر مذہب ہو یا سیاست، اقتصادیات ہو یا سائنس، کوئی راشیہ حیات ہو۔ اگر نگاہیں ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہوں۔ تو ہر شعبے میں ہر شخص کے نظریات مختلف ہوں گے۔

ایسی ہی صورت، حالات یہاں موجود ہے۔ مذہب کی دادی میں سینکڑوں الگ الگ راین نکلی ہوئی ہیں۔ ریاسیات میں جدا جدا رستے ہیں۔ ترقی و ترفع کے الگ الگ معیار ہیں۔ قومیت کو انفرادیت کھائے چلی جا رہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کی باگ کھینچے۔ ہر شخص خادم ملت ہے اور ہر فرد محسن اسلام ہے خواہ اس نے اپنے کردار کو کوئی شئی شکل بھی دے رکھی ہو۔

حد یہ ہوتی ہے کہ اسلام کی تحقیر و تذلیل کر کے چاندی کی تکیاں کمانے والے مسلمانوں کو دشمنوں کے ہاتھوں بیچنے والے، اور قومی غیریت و عزت کو بٹہ لگا کر پیٹ بھرنے والے لوگ بھی سیدیں انقوم قرار دیئے جاتے ہیں۔ کیا ظلم نہیں کہ بیواؤں کی حماوت میں نذر شور سے لکھنے والا ایک شخص آج اپنے طور پر قومی خدمت کا مدعی ہے۔ اسے اپنے کارنامے پر غور ہوتا ہے کہ کیا ظلم نہیں کہ پردہٴ ظلم پر گدھوں کی طرح ننھی ہو کر نہا چنے والی ایک عورت عورت کی اس کرسی پر قبضہ کرتی چلی جا رہی ہے۔ جو اولین اسلام میں قوم کے بہترین محسنوں کے لئے مخصوص ہے۔ کیا دل و داغ کی قوتوں کے مختل ہو جانے کی انتہا نہیں کہ قرآنی آیات کو تاویلات باطلہ سے موڑنے توڑنے، اور احادیث پر کچھڑا چھانسنے والے ایک مسلم نہا شخص کو قوم اپنی دولت سے حصہ دے کر بیٹھ ٹھونکتی ہے۔ عورت کے متعلق اشتراکیتِ جدیدہ کے بام مارگی عقیدہ کو فروغ دینے والے ایک شاعر کی تصانیف کو خرید کر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ نجاشی اب مشغلیہ لطیف شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس کی اشاعت کرنے والے کی عزت کی جاتی ہے۔

ہر گناہ اور ہر ثواب کو قومی خدمت "قرار دینا اس قوم کے لئے تو مناسب ہے جو زندگی کا کوئی مستقل ضابطہ نہیں رکھتی جس کا کوئی حقیقی نصب العین نہیں ہے۔ اور جس نے برگشتہ عقل کی بیڑی میں ہرزہ گردی کو پسند کر لیا ہے۔ لیکن کیا اس قوم کو خدمت کا لالہ یعنی مفہوم حاصل ہے۔ جو مسلمان

کہلاتی ہے۔ اور جس نے اسلام لائے ہی گویا اس امر کا وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں خدا کے ہر حکم پر تسلیم خم کرے گی اور جس کے لئے وحی الہی نے ایک لائحہ عمل اور ایک منزل متعین کر دی ہے وہ راہ عمل عبادت اور منزل قصود "نیابت الہیہ" ہے اسلام میں عبادت کا مفہوم دھرم کا مذاہب کے خلاف وسیع ہے۔ اس کے حلقے میں زندگی کا ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا عمل داخل ہے۔ ذاتی اور پبلک اعمال میں کوئی تمیز نہیں، دین اور دنیا میں کوئی تفریق نہیں۔ کسی عمل کو دینی الہی کے مطابق رکھنا عبادت ہے اور اس کے خلاف عدوان۔ یہ عمل چاہے کھانا کھانے کا عمل ہو۔ چاہے سود بیچنے کا درس دینے کا ہو یا روزہ رکھنے کا جنگ لڑنے کا ہو یا حکومت کرنے کا۔ خدائی احکام کی اطاعت اور حدود الہی کی پابندی جس شعبے میں بھی کی جائے۔ عبادت ہے اور جس شعبے میں غیر اللہ کی اطاعت کر لی جائے۔ عدوان ہے۔ عبادت و گناہ کا یہ تصور غیر مسلم اقوام کے لئے قطعاً ناقابل فہم ہے بلکہ بید عہد کے مسلمان بھی اسے ٹھیک ٹھیک طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ اس تصور کا گہرا تعلق خدمت کے اس مفہوم کے ساتھ ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔

ہمارا دین دوسرے موجود الوقت ادیان کی طرح داعی آرائش کی ایک چیز نہیں ہے اور نہ یہ دین آسمانی بادشاہت یا نجات و نردوان کا ایک وعدہ کرنے کے بعد ہمیں دنیا میں بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ یہ دین ایک تمدنی اور اجتماعی ضابطہ حیات یا ایک سوشلزم ہے اور سوشلزم کی حیثیت سے ہی وہ زندگی کے تمام شعبوں کو مربوط قرار دے کر پوری زندگی کا ایک ہی ضابطہ پیش کرتا ہے۔ یہ دین عقل کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ بنی نوع انسان کو جس کھدیں چاہے جاگڑے۔ بلکہ عقل سے صحیح طریقے پر کام لینا سکھاتا ہے۔ وہ اسے یک طرفہ فیصلہ دینے یا ماحول کے سامنے جھک جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ سائنس کے لئے مدد و مقرر کرتا ہے۔ اخلاق کے معتدل اصول متعین کرتا ہے۔ معاشرت اور معیشت کی مشکلات کو حل کرتا ہے۔ ریاست و حکمرانی کا دستور سامنے لاتا ہے۔ اور پھر یہ چیزیں ناقابل

عمل نہیں۔ بلکہ خلافت راشدہ کے عہد میں ان پر عمل ہو چکا ہے ان پر عمل کرنے کے شاندار نتائج کو دنیا دیکھ چکی ہے۔ یہ بھی نہیں کہ یہ چیزیں کسی عہد یا ملک یا نسل کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نہیں بلکہ ہر ملک کے لئے موزوں، ہر نسل کے لئے متناسب اور ہر عہد کے لئے جاری ہیں۔

دراصل مسلمان ہوتے ہی ہم نے یہ اقرار کیا ہے کہ ہم زندگی کے ہر سٹپے کو صرف اسلامی نقطہ نظر سے دیکھیں گے۔ ہر پیچیدہ معاملے پر مسلمان کی طرح غور کریں گے۔ ساری زندگی کو قرآن کی آیات کے سانچے میں ڈھالیں گے۔ حکومت کریں گے۔ تو اس طرح جس طرح خدا اور اس کے رسول کا حکم ہوگا۔ تجارت کریں گے تو محدود الہی کا محاذ کرتے ہوئے، جنگ لایں گے تو قرآن کے دستور جنگ کے مطابق۔ معاشرت کے مسائل کو حل کریں گے تو سواہ حسنہ کی روشنی میں، ہمارا اصول صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوگا۔ کسی دوسرے کی اطاعت جزو دایا کلا ہمارے حدودِ عمل سے خارج ہوگی خواہ کوئی بادشاہ وقت ہو یا دوست، پیر ہو یا مولوی، نفس کی خواہش ہو یا شیطان، ماں باپ ہو یا رشتہ دار۔ براہ راست کسی کی اطاعت کرنا ہمارے نقطہ نظر سے گناہ ہوگا۔ اور یہ کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کی اطاعت کا حکم دیں۔

الحب لله والیغض الله۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر عمل کرنا بیت اللہ کے اعلیٰ مقام کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

یہاں پہنچ کر ہمارے لئے توہی خدمت کا ایک مخصوص مفہیم قائم ہوتا ہے۔ وہ مفہوم یہ ہے۔ کہ قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے قرآن و حدیث ہی کے بتائے ہوئے راہِ عمل پر قدم بڑھایا جائے اور اس کے بعد رسول کو بھی اسی نصب العین کی طرف اور اسی راہِ عمل پر بڑھنے میں مدد دی جائے۔ ایک پیغمبر اور ایک ہاجر دوکان میں بیٹھ کر، ایک اہل قلم دفتر کی میز پر قلم کو حرکت میں لا کر، ایک ماہر طبیعیات ایجاوات و اختراعات میں مصروف رہ کر، ایک مدرس مدرسہ کی چار دیواری میں بچوں کو الف با تاء کا درس دے کر اور ایک طبیب اپنے مطلب میں مرضی کا علاج کر کے اس نصب العین کی

طرف بڑھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی ہر حرکت کو منشاء اسلام کے تابع کرے۔
مسلمان ہونے کے بعد ایک شاعر کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قوم کو عیاشی کا سبق دے۔ ایک دکاندار کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ شراب اور سود کا کاروبار شروع کرے۔ ایک سیاسی قائد مختار نہیں کہ کوئی ایسا نظام قوم کے لئے پسند کرے جس میں حقیقی حاکمیت کسی انسان کے ہاتھوں میں ہو۔
ایک اہل قلم کا زاد نہیں کہ برہنگی و زنا کاری کے طاعون کے جراثیم پھیلانے۔ مسلمان کہلانے والے شخص کو اگر مسلمان بہنے کی خواہش ہو تو اُسے قدم قدم پر احکام الہی کی پابندی کرنی ہوگی۔ اسلام کی پابندی میں جو ضل بھی اس سے صادر ہوگا۔ خدمت نبویؐ نوع انسان یا قومی خدمت کے دائرے میں آئیگا۔ اور ضابطہ قرآنی کے خلاف جو حرکت بھی ہوگی اسے قوم دشمنی اور اسلام دشمنی قرار دیا جائے گا۔

اسلام دنیا میں امن چاہتا ہے۔ فتنہ و فساد کو روکنا اس کے اولین فرائض میں ہے۔ اس عرض کے لئے وہ دوسرے محرف ادیان اور مذاہب باطلہ کی طرح تمدن کا خاتمہ نہیں کر دیتا۔ بلکہ تمدن کی پوری پوری ضروریات کو مد نظر رکھ کر اجتماعی زندگی کا پورا دستور پیش کرتا ہے۔ اس دستور میں عقائد بھی شامل ہیں۔ جسمانی مالی اور بنیادی اعمال بھی ہیں۔ عملی زندگی کے قانون بھی۔ اور ان ساری چیزوں پر دائرۂ عبادت محیط ہے۔ علمائے قرون مابعد نے عبادت کے تصور ہی کو قطعاً بدل ڈالا ہے ان کے خیال میں رکوع و سجود کی طرح کی چند حرکات جسمانی اور زبان سے چند الفاظ کا بار بار اعادة کرنا ہی عبادت ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ عبادت نہیں بلکہ معاملت ہے۔ یہیں سے حقوق اللہ اور حقوق العباد، دین اور دنیا کو کاری اور دنیا داری میں غیر اسلامی طرز کی تفریق شروع ہوئی۔ دلائل خلیکہ عبادت کا مفہوم ایسا نہیں تھا۔ عبادت صرف یہ ہے۔

کہ نیابت الہیہ اور اس کے قیام کے لئے جو عمل یا خیال مفید ہو اسے اختیار کر لیا جائے اور جو مضر ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔ اسی کے برعکس صورت گناہ کہلاتی ہے۔ قرآن اور حدیث نے انسانی زندگی کے مقصد نیابت الہیہ پر اثر انداز ہونے والے ہر محرک کا تذکرہ کر دیا ہے۔ مفید اعمال و خیالات و نظریات کو جلا کر آیا ہے اور مضر اعمال و خیالات و نظریات کی توضیح کر دی ہے۔ پھر قرآن کے مطالعہ سے آپ ہی آپ وہ طرز فکر حاصل ہوتی جاتی ہے جس کے معیار پر اگر ہر اچھی چیز اور بری چیز، ہر عبادت اور ہر گناہ ہر خدمت اور ہر عداوت پسجانی جانے لگتی ہے۔

قرآن اب بھی پڑھا جاتا ہے لیکن آخری تین صدیوں سے اس کا مطالعہ کچھ اس طرح ہو رہا ہے کہ نہ عبادت کا صحیح مفہوم ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے اور نہ گناہ کا حقیقی تصور۔ آج علماء کا ایک ایسا طبقہ عام طور پر پایا جاتا ہے جو عبادت کی صرف چند شکلوں کو ہی جانتا ہے۔ مسجد میں سر رکھ دینا اسے لذت دیتا ہے۔ لیکن رائے اور خیال کے بت کو جھکا کر منظور نہیں۔ وہ نمازیں پانچ وقتوں سے گزر کر سات اور آٹھ آٹھ مرتبہ پڑھتا ہے لیکن نمازیں خدا سے عملی زندگی کے متعلق جو وعدے کرتا ہے انہیں پورا کرنے کا خیال تک نہیں لاتا۔ خدا کو راضی رکھنے کے لئے رمضان کے تیس دنوں کے علاوہ کئی مہینے مزید بھوک پیاس برداشت کرتا ہے لیکن کبھی اپنی کمائی میں سے کسی بھوکے کو کچھ بے نہیں سکتا۔ اس کے نزدیک نوافل کا فوٹ ہو جانا تو گناہ کبیرہ ہے لیکن تجارت میں جھوٹ اور دعوہ فراموشی کو استعمال کر لینا جائز ہے۔ مسجد کے اندر اپنی آواز سے بات کرنا اسے گوارا نہیں ہوتا لیکن مسجد کے باہر وہ غیر اللہ کے قانون حکومت کے آگے سر تسلیم خم لکھتا ہے۔ دراصل عبادت اور گناہ کے تصور کے ساتھ خدمت کے مفہوم کا گہرا علاقتہ ہے۔ جہاں عبادت اور گناہ کا تصور ہی سرے سے غیر اسلامی ہو گیا ہو وہاں خدمت کا مفہوم کیونکر اسلامی رہ سکتا ہے۔ اگر آپ تھوڑے سے غور و فکر سے کام لیں تو واضح ہو جائے گا کہ ہر عبادت، اسلام، وطن، قوم، اور بنی نوع انسان کی

خدمت کے سوا کچھ نہیں۔ نیابت الہیہ کے قیام میں ہمیں اپنا اور ساری دنیا کے انسانیت کا فائدہ نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سے نیابت الہیہ کے قیام میں مدد دینے والا ہر فعل ہماری نگاہوں میں اسلام، وطن، اور بنی نوع انسان ہر احسان ہے۔ اور اس مقصد کو جس فعل سے ضعف پہنچے۔ وہ خود ہمارے لئے، اہل وطن کے لئے اور بنی نوع انسان کے لئے مضر ہے۔

اسلام کے تمدنی نظام کی مثال کچھ ایسی ہے۔ جیسے تین دو ہوتا ہے جس کی تاریخیں چاروں طرف دور دور تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہزار ہا سنوں پہلے ہوتی ہے اور دوسروں کے ساتھ تھمتن بھی۔ تمدن اسلامیہ کا ہر قانون بجا خود بھی قائم ہوتا ہے اور دوسرے شعبوں سے بھی اس کا علائقہ ہوتا ہے۔ اسی طرح نظام جماعت کا حال ہے جو اسلام کی نگاہ میں سب سے مقدم چیز ہے۔ اس میں فرد کو جائزہ انفرادیت سے بھی محروم نہیں کیا جاتا۔ اور اس پر نظام جماعت کو قربان بھی نہیں کیا جاتا۔

اسلامی نظام تمدن کوئی ایک اصول توڑ دینا، گویا سارے تمدن کو نقصان پہنچانا ہے۔ اور اسی طرح جماعت اور فرد کا اپنے حدود سے باہر ہو کر کوئی کام کرنا، اس نظام جماعت کو مضر ٹھہرتا ہے۔ جسے اس کی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے اس نظام تمدن یا نظام جماعت کو نقصان پہنچانے والا فروغی اور ادنیٰ معاملہ بھی اپنے اثرات کی وجہ سے بعض اوقات گناہ کیسہ شمار ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے مفید ہونے والا بظاہر چھوٹا سا فعل بھی نتائج کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں شمار ہوتا ہے۔

غیر کا جدید غیر اسلامی مفہوم جس قسم کی انفرادی ذہنی آزادی کے ساتھ لادوم و تکرار کا رشتہ رکھتا ہے اس کا ساتھ ساتھ پیدا ہونا ضروری تھا۔ یہ انفرادی آزادی خلافت راشدہ کے بعد شروع ہو گئی تھی۔ اور اسلام پر ایمان لانے والے لوگ دانستہ عملی زندگی میں دوسرے اصولی حیات کو اختیار کر رہے تھے۔ اندازہ فکر بدل گیا تھا۔ لیکن مغربی انکار کی یورش نے تو اسلامی تصورات

کو زنج دُہن سے اکھاڑ پھینکا۔ غدرِ شہ کے بعد جب لارڈ میکے کی تعلیمی اسکیم کے مطابق کام شروع ہوا۔ پھر انگریزی لٹریچر اور خیالات کی بارش برسے لگی اور عربی زبان سے ہندوستانی مسلمان کا تعلق منقطع ہو گیا تو عملی ناسلمی کے ساتھ ساتھ یہ ہے عقاید بھی رخصت ہونے لگے۔

مغربی لٹریچر میں جذبات پر اثر انداز ہونے کا خاص وصف موجود تھا۔ استفہام و استعجاب اور تحقیر و تذلیل کے ہتھیار زور و شور سے استعمال کئے گئے۔ کہا گیا کہ مذہب تو تمدنی ترقی میں حائل ہونے والا ہے اسے دنیا کے ہر معاملے میں اہمیت دینا بھی کوئی معقول طریق کار ہے؟ مسلمانوں کے منہ فرط حیرت سے کھلے کھلے رہ گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ پچھلے دور میں شاید تم غلطی میں مبتلا رہے ہیں۔ پھر کہا گیا جہلانہ یک سادہ میاست کا علاقہ کیسے؟ تاریخ دیکھو یہ تو سلاطین کی خواہشات کی آڑ رہا ہے۔ الغرض ان ہیتم قلمی حملوں کا اثر یہ ہوا ہے کہ عملی زندگی کے بعد ذہنی زندگی بھی مجروح ہونے لگی۔ ذہنی تبدیلی نے یہ قسم ڈھا دیا کہ گمراہ لوگوں نے اپنے آپ کو اہل ہدایت میں شمار کر کے دوسروں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا اور عوام کی طرف سے مخالف اسلام تحریک کی روک ٹوک کم ہو گئی۔ تاویلات باطلہ کا سیلاب چڑھ آیا۔ اور آیات قرآنیہ چلیب ہمکرہ گئیں۔ اب عقل انسانی وحی الہی کی حدود کے اندر کام کرنے سے انکار کر رہی تھی اور شہر شخص یہ سمجھنے لگا تھا کہ میں عقاید میں آزاد ہوں۔ خدا کو مانوں یا نہ مانوں، پیغمبر کو پیغمبر سمجھوں، ابن اللہ قرار دوں یا ایک عام ریفارمر قرآن کو کلام خدا کہوں یا کلام نبی و جبریل، قیامت اور جنت و دوزخ کو بے حقیقت ڈراوا اور بے معنی لالچ قرار دوں یا صداقتیں، نماز کو ناسمجھوں یا درزش، حج کو عبادت قرار دوں یا ایک سالانہ کانفرنس زکوٰۃ کو زکوٰۃ خیال کر دوں یا ٹیکس، یہ میرے علم و بصیرت پر منحصر ہے۔ اور ان چیزوں سے آخر مسلمانیت، میں کیا فرق آتا ہے۔

ایک دو کاغذ کا خیال تھا کہ مسلمان فی زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ نماز روزہ کر لیا لیکن قرآن و حدیث کا واسطہ ان امور سے کیا ہے کہ میں ترازو کی ڈنڈی یوں رکھوں اور یوں نہ رکھوں۔ بری چیز کو بھی کسے

نیچے چھپاؤں یا نہ چھپاؤں۔ غلے کو رد کر رکھوں یا نہ رد کروں، لگا ہوں کو خوش کرنے کے لئے قسمیں کھاؤں یا نہ کھاؤں اور سود لوں یا نہ لوں۔ یہ میرے اپنے ذاتی اعمال ہیں جو شعبہ تجارت کے ساتھ خاص ہیں۔ شعبہ مذہب کے ساتھ ان کا تعلق ہی نہیں۔ ایک صنف یہ سوچتا تھا کہ عشق و محبت کے فلسفے اور مادل پڑھنے سے عوام کو لغت حاصل ہوتی ہے اور اس کے بدلے میں مجھے چاندی کی جوڑ لکیاں ملتی ہیں انہیں کیوں گنواؤں۔ معذور یہ سوچ رہا تھا کہ تصویر کے فن سے یورپ نے بڑے فائدے اٹھائے ہیں یہ جوانی کا ایک آزاد شغلہ اور وقت اور بدلے کا ایک اعلیٰ مصروف ہے۔ اسلام نے اسے مصلحتاً کسی خاص زمانے کے لئے منع کیا ہو گا۔ ایک ترقی یافتہ تمدن کا لازمہ ہونے کی وجہ سے اسے اب چھوڑنا مشکل ہے۔ بھانڈوں کے ہاں طلبے پر تھاپ پڑتی اور ہمارا صوفی چلا اٹھتا کہ آخر وہ روحانی سر بلندی جو سماع، اہی سے حاصل ہو سکتی ہے اہل اسلام کو ناپسند ہو تو ہونی الاصل دہی اسلام ہے۔ زنا کار سوچتا تھا کہ میں اگر تنہائی میں لطف کی چند گھڑیاں بسر کرتا ہوں تو آخر قوم اور سوسائٹی کو کونسا نقصان پہنچتا ہے۔ اور اسلام ایک عقلی مذہب ہونے کے بعد کسی غیر مضمر فعل کو گناہ کیونکر قرار دیتا ہے۔ ایک لیڈر کا خیال یہ تھا کہ خلافت کا طریق حکومت اس زمانے میں ناقابل عمل ہے۔ آج کل تو بس جمہوریت یا آمریت ہی موزوں ہے۔ جو اس کی اپنی دولت کو اپنی سمجھتے ہوئے آزادی استعمال کا حق چاہتا تھا۔ انفرادی آزادی، خود ہی صغریٰ کبریٰ قائم کرتی اور احتجاج کا اپنا مخصوص طریقہ استعمال کرتی، شریعت کی ہر سکہ کو توڑتی جاتی تھی اور مسلمان جواری، مسلمان ہزار مسلمان شہرانی، مسلمان دھوکے باز، مسلمان زنا کار، مسلمان اشتراکی مسلمان محمد بلکہ مسلمان کافر اور مسلمان شیطان پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ لفظ مسلمان اپنے معانی سے محروم ہو کر محض ایک اسم علم کی حیثیت اختیار کر رہا تھا۔ غیر اسلامی معاشرت، غیر اسلامی سیاست، غیر اسلامی طرز حکومت، غیر اسلامی علوم و فنون، غیر اسلامی نظریات، غیر اسلامی معیارِ قدر و قیمت، اور غیر اسلامی طرزِ فکر اختیار کر لینے سے ہمارے جدید مسلمان کی مسلمانیت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس کے مسلمان ہونے کے لئے یہی کافی تھا کہ

وہ ایک برہمن یا چھوت اغل یا پھان، کی طرح مسلمان کہلانے لڑے والدین کی اولاد تھا۔ کیا مسلمانیت کی یہ صورت "خدمت" کا جدید مفہوم واضح نہیں کر دیتی۔ ایسے مسلمان کی نگاہ میں مجرد عمل، محض دولت کمانا، صرف کوئی کام کرنا خواہ مخواہ خدمت قوم ہو جاتا ہے۔ خواہ عمل کی صورت کچھ ہی کیوں نہ ہو مکمل کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور جائز یا ناجائز کوئی ناکام کر لیا جائے۔

کیا آج کوئی نگاہ ایسی نہیں رہی جو قرآن وحدیث کے مغز تک پہنچے۔ کیا دین کی روح کو کوئی دل نہیں سمجھ سکتا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ قرآنی صراط مستقیم کو سمجھا جائے؟ کیا ابھی اسلام کو عملی صورت دینے کے لئے حالات ہمیا نہیں ہیں۔ کیا قرآن کا پیغام کسی خاص عہد، کسی خاص قوم اور کسی خاص نسل کے لئے تھا؟ اگر ایسا نہیں ہے تو آج ہی میں فیصلہ کر رہا ہوں کہ قرآن اور مصطفیٰ پر ایمان لانے کے بعد بنی نوع انسان، قوم اور اسلام کی خدمت کا طریقہ کیا ہے۔

ان لوگوں کو اپنی راہ پر چلنے دیجئے جو مسلمانوں جیسے نام رکھنے یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے مسلمان کہلاتے ہیں۔ جن کی ابن الوقتی اور یونہی ہر سانچے میں ڈھل جا نا گوارا کر لیتی ہے جن کا منافق دل محمد پر ایمان لانے کے بعد گاندھی اور نہرو، ہٹلر اور موسلینی، کارل مارکس اور لینن کی پیروی تڑپ تڑپ کر کر سکتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے کام کے نہیں ہیں، ہم اس شخص سے فیصلہ پوچھتے ہیں۔ جو والذین یؤمنون بسانزل الیک، میں شامل ہے۔ اور جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہی اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ایسے شخص کا فیصلہ سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے کو اسلام کے اصول اور احکام سے حل کیا جائے۔ اور اس چیز کو نصب العین زندگی بنایا جائے جسے قرآن نے نصب العین کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے جو راہ قرآن نے تجویز

کی ہے۔ صرف اسی راہ کو انتخاب کیا جائے۔ تو ایسے شخص کو سمجھ رکھنا چاہئے کہ اس نصب العین کی طرف بڑھتے ہیں جو کوشش صرف کی جائے گی، خدمت ہوگی۔ اور اس کے خلاف ہر فعل تو مڈھنی سمجھا جائے گا۔ ترقی ہے تو یہی، اصلاح ہے تو یہی، کامیابی ہے تو یہی اور خدمت ہے تو یہی ہے۔ آؤ اور قرآن سے بصیرت حاصل کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ لَأُولُوا السُّلَمِ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُولُوا الْكِتَابِ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَلْغِيًّا بَيْنَهُمْ (۳-۱۰)

خدا کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے، اسی کے اصول و قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا ہی اور خدمت ہے اور قوم اور بنی نوع انسان کی بھلائی اسی میں ہے۔ اہل کتاب میں سے ظہور حق کے بعد جن لوگوں نے اس راہ سے انحراف کیا اور احکام الہی سے روگردانی اختیار کی تو وہ جان رکھیں کہ اللہ حساب لینے میں عہدی کرنے والا ہے وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (۵-۱۵) اس سے بہتر طریق حیات کس کا ہو سکتا ہے جس نے خدا کے ہر فرمان پر تسلیم ختم کر دیا۔ طریق احسان پر چلا اور ملتِ ابراہیم کی پیروی کی۔

وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَأَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۸-۶) رسولِ مصطفیٰ نے واضح کر دیا کہ بس دنیا میں منزلِ حیات کو طے کرنے کے لئے جتنے راستے ہیں ان میں صراطِ مستقیم ایک ہی ہے اور وہ وہی ہے جس پر میں چل رہا ہوں۔ اور جس کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ لوگو! صراطِ مستقیم پر چلو متفرق راستوں پر نہ چلو۔ درز راہ حق سے دور ہو جاؤ گے، اور اسی لئے تمہیں بار بار ہدایت کی جاتی ہے کہ تم تقویٰ پر قائم ہو جاؤ۔

زندگی کے مختلف مسائل کو مختلف نقطہ ہائے نظر سے حل کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انسان

مستقل کسی ایک طریقہ حیات کو اور کسی ایک ہی برتر قوت کی پیروی کو قائم نہیں رکھ سکتا اور یہ امر توحید اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اسی لئے متفرق راستوں پر چلنے کی لعنت کر دی گئی۔ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاتا قلیلاً مآئذ کروں ۵ (۸-۸) زندگی کا کوئی شعبہ ہو۔ تمدن کا کوئی مسئلہ ہو۔ سیاست کی گتھی کو سلجھانا ہو، معاشرت کی کوئی پیچیدگی پیش نظر ہو۔ ایالات میں کوئی وقت پیش آئے۔ تم صرف اسی پیغام کی پیروی پر مامور کئے گئے ہو۔ جو خدا کی طرف سے تمہیں پہنچا ہے۔ اپنی مقرر کردہ اور پسندیدہ برتر قوتوں کی پیروی چھوڑ دو۔ تم لوگ غور و فکر سے کم کام لیتے ہو۔

نہ تو عقل کے نام پر تم دجی الہی کی مخالفت کر سکتے ہو۔ اور نہ فطرت کے نام پر نہ حالات زمانہ کو اپنی پہل پسندی کی آڑ بنا سکتے ہو۔ اور نہ شہوات نفسانی کے لئے کوئی دوسری کمین گاہ بنا سکتے ہو۔ خدا کی نظر تمہاری عقل سے زیادہ دور بین ہے سوہ فطرت کو سمجھتی ہے۔ حالات زمانہ کو دیکھتی ہے۔ اور حال کے ساتھ ساتھ استقبال کو بھی محیط ہے۔

قل انہی ہدائی دجی الی صراط مستقیم ۵ دیناً قیماً ملۃ ابراہیم حنیفاً وماکان من المشرکین۔ قل ان صلواتی ونسکی وحمیالی وتمامی للہ رب العلمین۔ لاشریک لک للادبذلک امرت وانا اول المسلمین ۵ (۸-۷)

اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے راہ ہدایت دکھائی اسی نے مجھے ابراہیمؑ کے صبیح اور معبوط طریقے پر چلایا۔ وہ ابراہیمؑ جنہوں نے قانون الہی میں کسی دوسرے قانون کی آمیزش نہ کی۔ خدا کے سوا کسی کے حکم کا اتباع نہ کیا۔ یعنی شرک سے پرہیز کیا۔ اور کہہ دیجئے کہ میری نماز اور زندگی کی دوسری ساری عبادتیں اور میل جینا مرنا سب کچھ اللہ اور اس کی اطاعت کے لئے ہے۔ میرا ہر فعل اور حرکت اسی کے حکم کی پیروی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں کوئی دوسری قوت برتر قابل اتباع

نہیں ہے مجھے اسی عقیدے کا حکم دیا گیا ہے اور میری نگاہوں میں اس عقیدے کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہی خدمت بھی ہے احسان بھی اور عبادت بھی۔ اور بنی نوع انسان کے ساتھ حقیقتاً مہم دی کی صورت ہی ایک صورت ہے۔ اور میں اللہ کا پورا پورا فرماں بردار ہوں۔

قرآن کی حقیقت صرف یہی ہے کہ اس میں زندگی کے ہر شعبے کی صحیح ترتیب و تنظیم کے طریقے اور اصول بتائے گئے ہیں انسان دوسرے انسانوں کی خدمت کس طرح کر سکتا ہے۔ کہ نظام تمدن میں فساد پیدا نہ ہو۔ اس کا سلوک کائنات اور فطرت کی قوتوں کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔ اسے خدا کے کس طرح رشتہ استوار کرنا چاہیے۔ کتب انزلنا الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور۔ کہ اس کی وضاحت کر دی گئی کہ قرآن کا اتباع ہی ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔ اس میں زندگی کی مشکلات اور بہات امور کا حل ہے۔ اس میں دینی و عمرانی ثقافتی و تہذیبی، اجتماعی و انفرادی رد و فعل کا عداوہ ہے۔ اس لحاظ سے قرآن پر ایمان لانا اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو انہیں امور کی دعوت دینا انسانی برادری کی بہترین خدمت قرار پاتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین لولہ ما قویٰ ونصلہم جہنم وساکوت مصیوۃ (۵-۱۴)

قرآن کے ذریعے سے نیکی اور بدی، ہدایت و ضلالت، راستی و کذب، تسیم و طغیان کی دقت ہو چکی قد تبین الرشد من الغی۔ بنی نوع انسان کی خدمت اور دشمنی کی حدیں اللہ الگ الگ ہو گئیں۔ اب بھی اگر کوئی شخص رسول سے روگردانی کرتا ہے اور مسلمانوں کے راستے کو چھوڑتا ہے۔ زندگی کے کسی مسئلے کو بھی غیر اسلامی نقطہ نظر سے سوچتا اور حل کرتا ہے تو وہ ابدی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس غلط راستے پر وہ چل نکلا ہے۔ اللہ کی پیدا کردہ طاقتیں اور حالات زمانہ اسے اسی پر چلا تے رہیں گی تا آنکہ وہ جہنم کے برے ٹھکانے تک پہنچ جائے۔ یہاں ایک مسلمان کے لئے عقل پرستی،

فطرت پرستی، ترقی پرستی یا تہذیب پرستی کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑا گیہ میں نہیں سمجھتا کہ ان آیات کے ہوتے ہوئے کوئی مولینا ہمیں کس طرح وطن پرستانہ قومیت میں جذب کرنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔ کوئی شیخ الہند ہمیں گاندھی اور نہرو کے غیر مومنانہ سیاسی نظریات اختیار کرنے کا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں۔ کوئی امام الہند کیونکر ایک ہندوستانی تہذیب و تمدن کے فروغ و استیلا کے لئے تقریریں کر سکتے ہیں۔ کوئی مسٹر غیرالشد کی حکومت میں کیسے شریک ہونے کا خیال دل میں لاسکتے ہیں۔ اور کسی خاں صاحب کا کیا حق ہے کہ وہ عدم تشدد کے اصول کی اشاعت کے لئے زندگی وقف کر دیں۔

قائدین ملت جو سب سے بڑی قومی خدمت کے مدعی ہیں۔ اور تامل و نالامعروف و تنہوں عن المتکر کے دعویدار ہیں۔ معروف و منکر کی صحیح تعریف ہی قائم نہیں کر سکے۔ قرآن کی روشنی میں وہ اس کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ ایک مسلمان کے لئے عبادت، احسان، اور خدمت قوم کی حدود کہاں تک وسیع ہیں۔ نادانستہ یا دانستہ انہوں نے بھی خدمت کا وہی تصور قبول کر رکھا ہے۔ جس کی وراثت پورے ہو رہی ہے۔ قائدین کی اس روش کا نتیجہ ہو رہا ہے کہ قوم کی قوم ان لوگوں کی تعریف میں آ رہی ہے جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ الذین اتخذوا دینہم لہوا ولعبا و غرتہم الحیوة الدنیا۔ کیا دین آج ایک کھیل نہیں بن گیا۔ کیا ہر شخص اسے اپنی اہوا کے مطابق موڑ کر ڈوب نہیں لیتا۔ کیا آج بھی یہ حالت نہیں ہے کہ کل حزب بما لدیہم فرحون۔

آئیے ذرا سوچئے کیا ایک سوشلسٹ کسی سرمایہ دارانہ نظام تمدن کے اصول و فروغ کو قبول کر سکتا ہے۔ کیا وہ سود کے کاروبار کو جاری کر سکتا ہے۔ کیا وہ مردود طبقہ پر ظلم کر سکتا ہے۔ کیا وہ کسی ہمہ گیر کپڑے کا حصہ دہن سکتا ہے۔ کیا وہ کلیسا کی طرف سے وعظ کہہ سکتا ہے۔ آخر وہ کیوں اپنے

اور پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ دراصل اس نے ایک اصول پر ایمان لا رکھا ہے۔ وہ دل سے ایک خاص نصب العین کو قبول کر چکا ہے وہ بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ سود اور جوئے، اور سرمایہ داری کو نشوونما دینے والے دوسرے اسباب کو ختم کرے۔ پھر وہ سرمایہ داری کی نقوبت کا موجب کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کا فرض قرار پاتا ہے کہ وہ ہر دوسرے مذہب کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کرے اور صرف لینن کارل مارکس کے مذہب اشتراکیت کو پھیلانے پھر وہ انصاف کلیہ کے فرائض کیونکر انجام دے سکتا ہے۔

وہ اگر ادیب ہوگا تو سوشلسٹ ادیب ہوگا۔ تاجر ہوگا تو سوشلسٹ تاجر ہوگا۔ یہ کیوں اس لئے کہ زندگی کے ایک خاص نظام پر وہ ایمان لا چکا ہے۔ ایک خاص نصب العین اس کے سامنے ہے اور ہر وہ عمل جو اس نصب العین کے لئے مفید اور اس کے ایمان کے مطابق ہو اس کے نزدیک نیکی اور خدمت ہے۔ اور اس کے خلاف ہر عمل بدی اور ظلم ہے۔ وہ خود سوشلسٹ ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ دوسروں میں سوشلزم کو پھیلانے اور منظم کرنے کی کوشش کر کے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اولاد آدم پر احسان کر رہا ہے۔ کیونکہ اس نگاہوں میں خود اس کے اور ساری دنیا کا امن سے زندگی بسر کرنا صرف سوشلزم کے ذریعے ہی ممکن ہے پھر وہ کیونکر کسی غیر اشتراکی نظریہ کو اختیار کر سکتا ہے۔ کیونکہ کسی سرمایہ دارانہ تمدن میں شریک ہو سکتا ہے۔ اور کیونکر غیر اشتراکی اصول و آئین کو قبول کر سکتا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کی حالت ہے۔ قرآن کے پیش کردہ نظام حیات پر ایمان لانے کے بعد وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اس کے آئین و اصول کے خلاف کسی مشعبہ حیات میں کوئی دوسرا آئین و اصول قبول کرے۔ وہ غیر اللہ کی حاکمیت و امریت کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا فریضہ صرف یہی ہے کہ اللہ کی حکومت کو جاری کرے۔ اور غیر اللہ میں سے جو کوئی بھی امریت کا دعویٰ

کہے اس سے لڑے۔ وہ وطن پرست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ انسانوں کی بنائی ہوئی ساری حد بندیوں کو توڑ کر صرف ایمان بالقرآن کو کلمہ جامعہ قرار دیتا ہے۔ وہ سیاسیات میں فریب کاری اور دروغ بانی کا فرمانہ طریقے استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی آمد کا مقصد ہی یہی ہے کہ کافرانہ طور طریقوں کا قلع قمع کرے وہ سودا دجئے کا کاروبار نہیں کر سکتا عیاشی کی راہ پر گام زن نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ چیزیں اس کے نفسِ البعین پر مضراثر ڈالتی ہیں۔ اگر کسی شخص کا طریقہ منافقت نہیں تو اس کا فرض ہے کہ وہ جس خیال کو قبول کرتا ہے اس پر عمل کرے۔ جس نظام پر ایمان لاتا ہے اسے کسی سیرتِ نبوی و اہل بیت کے بغیر اپنے اوپر نافذ کرے۔ مسلمان ایک خاص نظام پر ایمان لاتا ہے۔ حدود اللہ کے اندر رہنے کا اقرار کرتا ہے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ اس خاص نظام اور ان حدود اللہ کے باہر کوئی قدم رکھ سکتا ہے تو کیونکہ وہ کارخانے میں ہو یا الوان حکومت میں، اکھیت میں ہو یا دکان میں، دفتر میں ہو یا مدرسے میں اس امر میں کوشاں ہے گا کہ اس کا کوئی فعل غیر اسلامی نہ ہو۔ اور اس کی سعی یہ ہوگی کہ وہ دوسروں کو بھی اسی نظام کی طرف راغب کرے۔ جیسے اس نے قبول کر رکھا ہے۔ کنتہ خیر امة اخرجت للناس۔ لیکن مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ وہ کہتے تو یہی ہیں کہ ہم اسلام پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر وہ اسلام کے نظامِ حیات کو بالکل چھوڑ رہے ہیں اور اس کی بجائے غیر اسلامی نظامِ ہائے حیات کے ایک ایک جز کو قبول کر رہے ہیں۔ یا تو شریعتِ فائدہ طریقہ یہ ہے کہ اسلام سے انکار کر دیا جائے۔ اور یا اسے زبان سے ماننے کے بعد عملی شکل دینی ضروری ہے۔ کیا مسلمان ایک مادہ پرست سوشلسٹ سے بھی گرا رہا ہے۔

مسلمان ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے نیک و بد اعمال کو پہچانے اور امر پر عمل کرے اور منہیات سے اجتناب برتے۔ جس اُس کی یہی خدمت ہے



مونا مازہ قوی باغِ غیبِ خوبصورت اور سب سے والا
مردوں اور عورتوں کی پوشیدہ بیماریوں اور بدنی کسٹ زریوں کو دور کرنے والا انکسیر۔
اس مرکب کی یہ خاصیت ہے کہ سیرم دودھ اور کئی پھٹاک ٹیکن روزانہ مجسم کر لیتا ہے،
سینکڑوں لاغر کمزور خف اور مڑھورت اسے کھا کر نئے نئے سُرخ اور قوی الجسم بن چکے ہیں،
توجہ اپنا وزن کر لو اور اسے ایک ماہ کھانے کے بعد پھر تولو۔ دیکھو کتنا وزن بڑھتا ہے۔
معدہ کو قوت دیتا۔ بھوک خوب لگاتا اور قہقہ کی عادت کو دور کرتا ہے۔ معوی اخلاص ریس اور دل۔ دماغ بھر کو قوت
بخشتا ہے مادہ تولید پر اس کا خاص اثر ہوتا ہے اور عورت کی مخصوص بیماریوں کے لئے اکیہ کا حکم رکھتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ بیماری کی حالت میں ہی اس کا استعمال کیا جائے بلکہ تندرست عورتیں بچے اور بوڑھے مگر اور بیمار
میں اس کا استعمال کر کے اپنے جسم کو سنایت مضبوط اور طاقتور بنا سکتے ہیں۔ قیمت فی ڈبہ صرف دو روپے آٹھ آنے،
صلے کا پتہ: دواخانہ چشمہ حجت محمد خانہ دارن حیدر وارہ لاہور

اعلان

علیم الامت ترجمان حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی سند پر ذیل کتابیں مفت دستیاب ہو سکتی ہیں
باقی کتابیں اس وقت نامیاب ہیں۔ ضرورت منو حضرات ہدوت طلب کیا سکتے ہیں۔

بال جبریل۔ حال ہی میں تازہ ایڈیشن چھپ کر آیا ہے یہ کتاب تمام اردو نظم ہے قیمت تین روپے علامہ محمولہ ڈاک۔

ضرب کلیم۔ یہ بھی تمام اردو نظم ہے قیمت ۸ روپے

بانگ درا۔ اردو نظم کا سب سے پہلا مجموعہ قیمت ۸ روپے

مثنوی اسرار خودی و رموز بے خودی (فارسی) قیمت ۸ روپے

ارمغانِ حجاز۔ علامہ صاحب کلاس سے آخری کلام قیمت ۸ روپے

SECRETS OF THE SELF مثنوی اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ قیمت تین روپے

ملخص کا پتہ: منبر اقبال کیڈمی ظفر منزل تاجپورہ لاہور

ستر سال کے بوڑھے بھی جوان ہو جائیں گے

بال کا لائیل ورحب اول

یہ نسل ایک انگریزی ڈاکٹر کی تازہ ایجاد ہے جس کے استعمال سے بڑھاپے سے سفید بال جڑے قدرتی کلمہ ہوتے ہیں اور پھر کلمے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اگر آپ دھڑو دو گئی قیمت دایں کی گارنٹی ہے جو ہر شیشی کے ساتھ لکھ کر دیجاتی ہے، ہم بیچ کرتے ہیں لکھتی ہوتے ہیں کا متبادل نہیں کر سکتا قیمت فی شیشی تین روپے آٹھ آنے خرچ ڈاک ۱۰ روپے۔

ملنے کا پتہ: بیجاچ ٹریڈنگ کمپنی نمبر B ۳۵ نسبت روڈ لاہور

سالانہ قیمت

قرآن نمبر

رواسے چھ روپے

عوام سے چار روپے

پیغامِ حق !

ظفر منزل تاج پورہ لاہور

جلد ۵	نومبر و دسمبر ۱۹۴۱ء	عدد ۱۵
-------	---------------------	--------

۲	سید محمد شاہ ایم۔ اے	سخنہائے مفتی
۴	از جناب ادیس احمد مینائی خالد حیدر آباد دکن	یائے کو پیام انلی نے یہ بتایا
۵	از جناب حافظ سراج الدین محمود بی بی ٹی بہاول پور	اطاعت رسول صلعم
۹	مولانا عبد اللہ اعلمادی	تعظیم کلام اللہ الکریم
۱۶	شیخ عبدالعزیز شادیش	افکار بشری کی آزادی میں قرآن کا حصہ
۴۸	مولانا عبد اللہ اعلمادی	بازارِ ساحری
۵۶	مولانا عبد اللہ اعلمادی	کرشمہ قدرت
۶۹	مولانا عبد اللہ اعلمادی	عزاق علی
۷۶	مولوی اکرم علی صاحب محمدی	کلام اللہ قرآن
۸۰	مولانا عبد اللہ اعلمادی	باغِ جنت
۹۹	مولانا عبد اللہ اعلمادی	آیت الکرسی
۱۰۹	مولانا عبد اللہ اعلمادی	گوسالہ سامری
۱۲۶	مولانا ابو الخیر عبداللہ صاحب	کلام القرآن

سید محمد شاہ پشتر پشتر نے دین محمدی الیکٹرک پریس لاہور میں طبع کر کے دفتر رسالہ پیغامِ حق ظفر منزل تاج پورہ لاہور میں لکھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سخنہائے گفتنی

قرآن مجید خدائے تمیز کا وہ کلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے نازل ہوا کہ بنی نوع انسان اس کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگیوں کو وہ حال کر دنیا میں فلاح و کامرانی اور آخرت میں نجات و ندامتی حاصل کر سکیں۔ چنانچہ اس سرچشمہ ہدایت سے جن سعادت مند رحوں نے فائدہ اٹھایا ان کی قابل رشک زندگیوں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ مگر افسوس اور صدفوس کا مقام ہے کہ اب کئی صدیوں سے لوگوں نے اس سرچشمہ ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا بند کر دیا ہے اس نے زندگی کے لئے جو پروگرام وضع کیا تھا یا تو اسے سمجھنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی جاتی اور یا اگر سمجھا بھی جاتے تو مقبور بہت کا اس قدر افسوس چل گیا ہے کہ اسے بحالات موجودہ مقابل عمل ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسے دے کے صرف اتنی بات رہ گئی ہے کہ بعض انتہائی درجہ کے "متذہبن حضرات" اس سے گندے نمونے کا کام لے لینا ہی بڑی خدمت خیال کرتے ہیں۔

بقول علامہ اقبال مرحوم اگر ہم لوگ بحیثیت مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے یہ اُس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ہم قرآن کو اپنا لائحہ عمل نہ بنائیں اور اس کے ساتھ اپنا دامن خوب اچھی طرح ڈالیں نہ کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت یہ احساس مسلمانوں کے ایک طبقہ میں پیدا ہونے لگا ہے اور مولینا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے نیک نیت، سنجیدہ مزاج، خدا ترس اور باہمت حضرات اس امر کی کوشش کرنے لگے ہیں کہ لوگ قرآن مجید کو ایک بار پھر اپنا لائحہ عمل بنانے کے لئے آمادہ ہو جائیں چنانچہ مولانا نے ممدوح کا رس ترجمان القرآن ۱۹۳۲ء سے بیعت بجالا رہا ہے اور الحمد للہ مسلمانوں کے اندر یہ احساس پیدا کرنے میں اُسے عظیم الشان کامیابی نصیب

ہوئی ہے۔ ہم اپنے قارئین کرام سے درخواست کریں گے کہ وہ خود عربی زبان پڑھیں اور اپنے بچوں کو لازمی طور پر عربی زبان پڑھائیں اور قرآن مجید سے براہ راست استفادہ کرنا سیکھیں۔ مسلمانوں کا یہ ادب اُس وقت تک نہیں جاسکتا اور یہ نحوست اُس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک وہ قرآن کریم کی ہدایات پر چلتا نہیں سیکھتے۔

پیغام حق کا یہ ”قرآن نمبر ملک کے بلند پایہ اہل قلم اور قابلِ احترام علماء کے مضامین کا حامل ہے۔ اس مجموعہ میں اور بھی بہت سے مضامین تھے مگر کاغذ کی گرانی کی وجہ سے سب مضامین کو اس ایک مجموعہ میں شائع کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ تقریباً اسی قدر مجموعہ باقی رہ گیا ہے۔ خدا کو منظور ہو تو ان باقی ماندہ مضامین کو کچھ کسری دوسرے موقع پر شائع کیا جائے گا۔

کاغذ کی گرانی اور نایابی کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ گزشتہ دنوں میں صرف وہی اخبارات و رسائل شائع ہو سکے جن کے پاس کاغذ کے ذخائر پہلے سے موجود تھے کیونکہ دکانداروں نے نفع اندوزی کے لالچ میں قیمتیں پانچ گنا تک بڑھا دی تھیں۔ اس لئے غریب اداروں کے لئے کاغذ خریدنے کا کوئی موقع باقی نہ تھا۔ اب گو فرسٹ آف انڈیائیے کاغذ کی قیمتوں کا کنٹرول کیا ہے اگرچہ یہ قیمتیں بھی پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہیں تاہم غنیمت ہے مگر بڑی مصیبت یہ ہے کہ سوداگران کاغذ ان قیمتوں پر کاغذ بیچتے نہیں۔ یہ دو بات تھیں کہ نومبر و دسمبر جنوری کا پیغام حق شائع نہ ہو سکا۔ الحمد للہ خدا نے ایسا سامان بنا دیا ہے کہ اب پھر پیغام حق مثلِ سابق وقت پر شائع ہوتا ہے گا۔

نومبر و دسمبر کا پرچہ آپ کے سامنے ہے اور جنوری اور فروری کا زیرِ طبع ہے۔ لہذا جن حضرات کا جنہ و دسمبر یا جنوری میں ختم ہوتا ہے براہ کرم وہ چار پہلے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر نمونہ فرمائیں۔ یاد دہانی۔ پنی کی اجازت دیں کاغذ کی گرانی کے پیشِ نظر جنہ و دسمبر سے چار پہلے کرنا پڑا ہے اگرچہ خرچ اس سے بھی پورا نہیں ہوتا مگر قارئین کرام توجہ کریں تو خریداروں کی تعداد بڑھ سکتی ہے اور اس طرح خرچ پورا ہو سکتا ہے۔

یا اُن کو پیامِ ازلی نے یہ بتایا

(ادیس احمد مینائی حیدر آباد دکن)

اوروں کو مبارک ہو صنم خانہ فرنگ
ہے باعثِ بربادِ بادی تہذیبِ حقیقی
خالہ کی نگاہوں نے سہمی نکسے میں گلستان
ہو دایعِ کلیجے میں لئے خرم و شاداں
جب تک کہ نہ ہو زور و منافع کا تقاضہ
اقبال نے یرس دیا ہم کو خودی کا
وہ تیرے ہی کردار کے موئے تیں کیشمے
دل کو بھی ٹٹولا کبھی حق کے ستلاشی؟
معصم ہے نری ذات میں وہ جو ہر ذاتی
دل ہی تو وہ اک سازِ خدا داسے جس میں
ہو عشق کی مضرب تو یہ نعرہٴ تکبیر
محبوبِ ملت کے شہیدانِ جواں بخت
وہ رنگِ خاک کے کبھی قائل نہیں ہوتے
یا اُن کو پیامِ ازلی نے یہ بتایا
ہاں بڑھ کہ مجاہد کے لئے عرصہٴ ہستی
یوں شاہِ فطرت نے مسداں کو سکھایا
تو حید کے عشاق کو ہر نورِ صنم نگ
کہتے ہیں جسے کورِ نظرِ دانشِ افرنگ
مغرب کی بہاروں پہ ہے کیوں عقلِ جلجنگ
ڈھونڈے یہ بھی ایسا نہیں پایا گلِ خوش رنگ
اُس لیں میں انہوں کے بھی ہیں قلبِ نظر تنگ
ہے مردِ خود آگاہ سدا صاحبِ اورنگ
تو جن کو کہا کرتا ہے تقدیر کے نیرنگ
کیا فلسفہٴ یونان کا؟ اک فلسفہٴ سنگ
میں جس سے طلسماتِ دلِ عقل کے نیرنگ
محفوظ ہے خود سازِ سرِ عرش کی آہنگ
شرمندہ کن نغمہٴ ہر ہر طبل و چنگ
شمشیرِ پائے نہیں دیتے ہیں کبھی رنگ
اُن کے لئے اللہ کے دشمن کا لہو رنگ
اللہ کے بندوں کو بس اللہ ہی کا رنگ
یا کارگرِ جنگ ہے یا معرکہٴ جنگ
ہوتے نہیں شیرانِ جواں بختِ دل تنگ

لے قرآنِ پاک۔ لے صبحۃ اللہ: تو کہہ دے کہ ہم نے پسند کر لیا رنگ، اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر اللہ کے رنگ سے "قرآن

اطاعت رسول صلعم

(حافظ سراج الدین محمود بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ بہاؤ دل پور)

”پھر قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ مسلمان نہ ہوں گے۔ جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کا آپس میں جو جھگڑا ہو اُس میں یہ لوگ آپ سے فیصلہ نہ کرادیں پھر آپ کے اس فیصلے سے اپنے دلوں میں تلخی بھی نہ پائیں۔ اور اُس کو مان لیں مبیہ کہ ماننے کا حق ہے۔“

مہد اسلام سے قبل کی انسانی تاریخ انبیاء و رسل پر ایمان لانے والوں کے ایمان و اخلاص کی ان بلند ترین مثالوں سے یکسر غالی ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ظہریں آئیں اکثر مہینوں کی زندگیوں کے حالات و چہرہ پر ایمان لانے والوں میں سابقوں والوں کے زمرہ میں شمار ہوئے۔ بہت مایوس کن ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تو اس معاملے میں اپنی بدنامی کی شہرت کو خوب قائم رکھتی رہی ہے۔ فرعون سے ربانی دُریلے سلامتی سے گزرنا۔ دشمن کا ان کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو جانا بھی ان کے ایمان و اخلاص کی استقامت کا باعث نہ بن سکا۔ اللہ کی یہ سببتیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی جس وقت اُن کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ وہ تمہارے سامنے دودھ اور شہد کی نہروں والا ملک ہے۔ جس کا خزانے تم سے وعدہ کیا، تم اس طرف بڑھو خداوند قدس تمہارے دشمنوں کو تم سے خائف کر دے گا۔ وہ فرار ہو جائیں گے اور تم غالب ہو گے تو مومنین کے اس چھ لاکھ کے گروہ نے جواب دیا۔

قَاذِبًا اَنْتَ رَجُلًا فَتَلَّا نَا مَا هُنَا قَاعِدُ دُنَّۃٍ لِّغٰیۡ اَپْ اَپْ اور آپ کے اللہ میاں چلے اور دونوں اڑ بڑھ کر لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں اس چھ لاکھ کے گروہ میں صرف دو انسان ایسے نکلے کہ جنہوں نے حتیٰ کی تائید میں زبان کو ملی اسی لئے موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہ الہی میں فریاد کرنے کی پڑی :-

”اے میرے رب مجھے اپنی اور اپنے بھائی کی جان کے سوا کسی پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔“ وقت گزرتا گیا خدا کی طرف اس کے بندوں کو پیغام لانے والوں کا سلسلہ ہم مہد ادھر ہر قوم میں برابر جاری ہا انسانیت کی تعلیم کی تکمیل کے لئے نظام ربانی برابر حضرت علی ہا

یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نے اس محبت کے عطر سے انسانی قلوب کو گرمانا چاہا ان پر ایمان لانے والوں میں تواریخ کو خاص عظمت حاصل تھی پھر ان سب میں سے بڑے سواری بیودہ کو جو تقرب ان کی ذات کے ساتھ حاصل تھا بائبل کے متعجب پراس کی تہا آج تک ثبت ہے لیکن حضرت عیسیٰ کی گرفتاری میں اس بہترین رفیق کا ہاتھ ہی تھا بلکہ اس نے اپنی خدا کے صلے میں حکومت سے تائیس عدد کے حاصل کر کے اپنے ایمان و اخلاص کو اس قدر ستے داموں فروخت کر دیئے ہیں بھی کوئی ذلت محسوس نہیں کی تھی۔ ان حالات اور روایات کی مصداقے بازگشت فضا میں موجود تھی اور انسانی وحشت و ہر بریرت و مملات و گمراہی کی تاریک ترین گھٹا فضا کے بسط پر چھائی ہوئی تھی کہ سرکار دو عالم سرور کائنات محمد مصطفیٰ (ص) صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آفتاب عالم پر نمودار ہوا بادِ سموم سے جھلے ہوئے صحرائے عرب کی آفتابیں سرزمین پر انسانی اخلاق و عظمت کی سحکم بنیادیں استوار ہوئی شروع ہوئیں اور بنی نوع انسان کی تربیت کے لئے فیضانِ سماوی کے دروازے کھول دیئے گئے جوں جوں وقت گزرتا گیا وحی الہی کی تاثیر اور صحبت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض و اثر نے بادیہ نشینانِ عرب کی کایا لپٹ دی تکیں اخلاق انسانی کے لئے اس معلمِ اول نے اپنی عظیم انظیر زندگی کے تیر سال صرف کر دیئے تو اس قدر عظیم ان نتائج حاصل ہو چکے تھے کہ قیامت تک کے تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے گی۔

ایک خاص معاملے کے تعلق جب مندرجہ عنوان آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی اگر ہمیں حکم ہو کہ ہم اپنی جانوں کو اپنے ہاتھ سے قربان کر دیں تو میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ابو بکرؓ اور اس صلے میں رفیقِ نادر تنہا نہ تھے بلکہ سینکڑوں دلدادگانِ شوقِ نبی کے حکم کی تعمیل کے لئے ہمتِ گوش تھے۔ ابتداءً دنیا سے یہی دستور ہا کہ جنگ پیکار کا سلسلہ دشمنوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ حربِ ضرب اور آتش و خون کا یہ کھیل لگانوں کے ساتھ نہیں بیگانوں کے ساتھ کھیلا جاتا کہ تمہارے لیکن جنگِ بد کے موقع پر مخلصین اسلام کے لئے یہ کس قدر کٹھن اور امتحان کا وقت تھا کہ بھائی کو بھائی اور بیٹے کو باپ اور خسر کو داماد کے خلاف تلوار اٹھانی پڑی حضرت ابو بکر صدیقؓ اگر اپنے بیٹے عبدالرحمنؓ کے خلاف نبوذا تھے تو حضرت عمرؓ کی تلوار مامول کے خون سے رنگین تھی تین سو تیرہ رفیقوں میں سے کسی ایک کی پیشانی پر بھی شکن نہ پڑی۔

صحبتِ نبویؐ کے تربیت یافتہ مردوں کا نو خیر کیا ذکر ہے۔ منس لطیف کی سی کمزور و ضعیف مخلوق کی استقامت

محبت اور اخلاص کی مثالیں کہیں دوسری جگہ دھونڈے سے نہیں ملیں گی۔ ایک عورت کا باپ بھائی۔ بیٹا اور شوہر یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے باری باری سے ان کی شہادت کی اطلاع اس ندیہ سن کر کوئی گئی ہر نئی شہادت کی خبر پر وہ عشق و محبت حق کی یہ راز دار دریافت کر لیتی تھی کہ حضور انورؐ تو بخیریت ہیں آخر اس کے شوہر کی شہادت کی خبر پر جب اس کے استفسار کے جواب میں اسے معلوم ہوا کہ حضور بخیریت ہیں تو اس پر دانہ رخ شمع نبوی علیہ السلام کے منہ سے جو الفاظ نکلے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فضا میں گونجتے رہیں گے۔

”تیرے ہوتے سب مصیبتیں ایسچ ہیں“

ماں باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا تیرے ہوتے ہوئے لے شہرہ دیں کیا چیزیں ہم
لیکن داحسرا و مدافسوس کہ آج وہی قوم دنیا میں اپنی نافرمانیوں کا فرائیڈیوں اور انکار و
حجت کے لئے مشہور ہو چکی ہے۔ برسر عدالت اس بات کے اقرار پر فخر کرنا کہ ہم شریعت کے نہیں بلکہ بندہ
روح کے پابند ہیں یہ اسلام اُس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب سے انکار..... نہیں
تو پھر اور کیا ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی گوشہ بھی اس انکار و حجت سے خالی نہیں ہماری معیشت ہماری
معاشرت اور ہماری سیاست شریعت حقہ کے اثر و نفوذ سے کلیتہً آزاد ہو چکی ہیں۔

لیکن پھر بھی ہمیں اپنی ذلت و نامردی اور خسران کے اسباب و وجوہ کی تلاش ہے گویا ہمیں یہ
معلوم ہی نہیں۔ یہودی اپنی صریح نافرمانیوں اور عدول حکمیوں کا احساس بھی کھو چکے تھے۔ اس لئے موسیٰ
نے جب وہ ان میں موجود تھے ان کی رفاقت سے پناہ مانگی تھی بعینہ ہم آج اپنی بد اعمالیوں سے بے خبر ہیں لیکن
ہماری یہ خبری نہیں ہمارے جرائم کی پاداش سے نہیں بچا سکتی دنیا میں ہمارے اعمال کی سزا ہمیں مل ہی ہے اور قیامت
کے دن کس قدر حسرت فرماو گی۔ ہماری وہ حالت جس وقت تم رسل صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنے پر مجبور ہوئے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
اِنَّ قَوْمِیْ اَعْتَدُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ مَوْجِدًا وَاَدْرِیْکَ اَیْنَ مَوْجِدُوْہِمْ یَوْمَئِذٍ کہ لے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز
کر رکھا تھا۔

چند نایاب اسلامی کتب و رُان کی قیمتوں میں حیرانگیر عبات

تفسیر القرآن مکمل آٹھ جلدوں میں۔ (اردو) قرآن پاک کی بہترین اور مکمل ترین تفسیر راج تک مصر اور دنیا اسلام کے یکم حصول میں جس قدر لغات شائع ہوئی ہیں یہ تفسیر ان تمام لغات پر کاغذ ہے۔ آج تک ہندوستان بھر اس حیثیت کی کوئی تفسیر شائع نہیں ہوئی اصلی قیمت مکمل سٹ ایکس روپیہ۔ رعایتی قیمت سٹ روپیہ آٹھ آنسو غیر مجلد۔ قیمت مجلد بارہ روپیہ آٹھ آنسو۔

جوہر قرآنی معرکہ شہو عالم شاہ شیخ طغاری جوہری مصری کی شہو اور معرکہ الارار تصنیف کا اردو ترجمہ رعایتی قیمت ۱۲۰ سیرت الرسول۔ سیرت النبی معروف بہ سیرت ابن ہشاک کا اردو ترجمہ۔ دو حصوں میں قیمت مکمل سٹ۔ رعایتی کیونکہ لکھنے انجیل یر بناس۔ اس مقدس انجیل کا اردو ترجمہ ہے جس کو عالمان دین عیسوی نے عہد تاریکی میں بالکل بالود کر دیا تھا کیونکہ اس میں مسٹر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی صریح خبر موجود ہے نہایت قلمبند نایاب انجیل تحفہ ہے رعایتی قیمت دو روپیہ فاتحہ العلوم۔ تفسیر کبیر عبد ادا ل کا اردو ترجمہ۔ امام فخر الدین رازی کی تفسیر سورۃ الحمد کا مکمل اردو ترجمہ۔ کاغذ قدسے بوسیدہ اصلی قیمت تین روپیہ۔ رعایتی ایک روپیہ آٹھ آنسو۔

تالیخ مراکش۔ مراکش کے شہو مورخ کی تصنیف کا اردو ترجمہ مراکش کی مکمل اور اردو زبان میں پہلی تاریخ تین جلدوں میں۔ رعایتی قیمت مکمل سٹ دو روپیہ چار آنسو۔

سفر دار المصطفیٰ۔ ایک یورپین جاسوس کا سفر حجاز اور اس کے روح فرسا کاناموں کا مفصل بیان۔ رعایتی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنسو۔

عہد حکومت سلطنت عثمانیہ کی تاریخ۔ سلطان عبدالحمید کے عہد کی مفصل داستان رعایتی قیمت ایک روپیہ

ملن کا پتہ :- منیجر رسالہ ایشیا لاہور

ضرب دی نوٹ :- (۱) محمولہ لاکھ ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا۔ (۲) تفسیر القرآن کے اردو کے ساتھ بڑی دو روپیہ لکھنے چاہئیں ورنہ تعمیل ارشاد نہ ہوگی۔ (۳) تفسیر القرآن بوجہ وزنی ہونے کے صحت بذریعہ پوسٹ پارسل ارسال کی جاتی ہے اس لئے اپنے قریبی ریویس اسٹیشن کا نام تحریر کریں۔

تَعْلِيمِ کَلَامِ اللہِ الْکَرِیم

(از مولانا عبد اللہ العماوی)

(۱)

آج کی تلویحات کا مفاد یہ ہے کہ کلام اللہ جو حیات انسانی کے لئے سرایۂ سعادت ہے، انسان اس کی طل سے تعظیم کریں اور یہ تعظیم ان کی جان و تن سے نمایاں ہو، اس کے لئے تعظیم کا مفہوم سمجھنے کی بھی ضرورت ہے جس کے آغاز سے پہلے ایک تمہید کا انجام دیکھنے کے قابل ہے۔

علامہ تقی الدین احمد بن عبدالقادر المقریزی ایک شہرہ آفاق مورخ ہیں جن کی کتاب "المختلط والامارۃ" معرکی خرنی تاریخ میں ماخذ مانی گئی ہے، ان کی ایک اہم تالیف "النقود الاسلامیہ" بھی ہے جس میں اسلامی نئے کی تاریخ دی ہے، "۹۸۵ھ" میں یہ کتاب شیخ احمد فارس شذیاق کے مطبعۃ الجواب (تونس) میں چھپی تھی، اس تلویح کی تمہیدی کتاب مبنی ہے۔

(۲)

ہجرت نبوی کے اٹھارہویں سال جو خلافت فاروقی کا ٹھول سال تھا، اسلامی نئے کے مضروب ہوئے، اے تحفہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے ضرب کرائے، ان میں کسی کا نقش درم الحمد للہ تھا، کسی کا محمد رسول اللہ اور کسی کا اللہ اللہ صفا۔ ۱۰۰ھ خلافت راشدہ میں اسی تم کے کے رائج تھے، بنی امیہ کے عہد میں عبدالملک بن مروان نے اس کی تجدید کی اور حجاج بن یوسف نے اس کو ترقی دی، اس ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

کان ماضیہ الحجاج الذراہم ابیض حجاج نے جو کے ضرب کرائے، ان میں چاندی کے درم بھی تھے

دِنَقْشَ عَلَیْهَا قَتْلَ هُوَ اللّٰهُ اَحَدًا فَقَالَ
الْقِرَاءُ قَاتِلِ اللّٰهُ الْحِجَابُ اِی شَيْئًا صَنَعَ
لِلنَّاسِ اَلَا اَنْ يَّاخُذَ الْجَنبَ وَالْمَحَاضِ
وَكَانَتْ الدَّوَاهِمُ قَبْلَ مَنَقُوشَةٍ بِالْفَارَسِيَّةِ
ذَكَرَهُ نَاسٌ مِنَ الْقِرَاءِ مَسْهًا وَهَمَّ عَلَى غَيْرِ
طَهَارَةٍ وَقِيلَ لَهَا "اَلْمَكْرُوهِيَّةُ فَعَرَفَتْ
بِذَا لَقَ -

جن پڑ قتل ہو اللہ احد، نقش تھا، قاریان کلام اللہ کہنے
لگے کہ "اللہ حجاب اعی شئی صنعم
بنارکھلے، جو دم نخس ہوں اور جن عورتوں کو طہر کی
نوبت نہ آئی ہو، اب تو وہ بھی اسے لیں گے" اس سے
پہلے جو دم تھے ان پر فارسی میں نقش ہوتا تھا قاریان
کلام اللہ کی ایک جماعت نے بے طہارتی کی حالت میں
ان سکوں کا چھونا مکروہ قرار دیا، ان کا نام مکروہیہ

پڑ گیا اور عرف عام نے اسی نام کو شہرت دی۔

رَوِّعَ فِي الْمَدِينَةِ اَنْ مَالِكًا رَحِمَهُ سَمَلُ
عَنْ تَغْيِيرِ كِتَابَتِهِ اَلدَّنَا نِيُولِدُ دَاهِمُ
لَمَّا فِيهَا كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ -

مدینہ منورہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آیات قرآنی کے باعث
نقش دینار و درم کو بدل دینے کے لئے امام مالک علیہ
الرحمۃ استفتا کیا گیا، امام موصوف نے فرمایا۔

"اَوَّلُ مَا ضَرَبَتْ عَلَى هَهْدٍ عَبْدُ الْمَلِكِ
بَنَ مَرْدَانَ وَالنَّاسَ مَتَوَفُونَ اَفْعَا اَنَكَرَ
اَحَدٌ ذٰلِكَ وَمَا دُرِيتُ اَهْلَ الْعِلْمِ اَنَكَرُوهُ، وَ
لَقَدْ بَلَغَنِي اَنْ اَبْنَ سَبْرِينَ كَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَبْلُغَ
بِهَارِثَ ثَمَرِي، وَلَمَّا رَا اَحَدًا اَمْنَمَ ذٰلِكَ هَهْنًا"
بَعْنَى رَحِمَهُ اللّٰهُ اَهْلَ الْمَدِينَةِ النَّبَوِيَّةِ -
مُحَادَثَ كَرْتِي سَبْرِي دَكِيحًا - تَبَاهَا سَمَامُ الْمَلِكِ كِي مُرَاد اَمَلِ مَدِينَةِ مَنُورَةِ هِيَ -

اس طرح کے سکے پہلے پہل عبدالملک بن مروان کے
عہد میں ضرب ہوئے تھے، اس زمانے میں بہتیرے بزرگان
دین موجود تھے لیکن کسی ایک نے بھی اس کو برانہ بنائیں
نے دیکھا کہ نہیں کہ اہل علم نے اس کی برائی کی ہو۔ البتہ مجھے
یہ خبر ملی تھی کہ ابن سیرین ایسے سکوں سے خرید و فروخت
مکروہ قرار دیتے تھے مگر یہاں تو میں نے کسی ایک کو اس کی
ممانعت کرتے نہیں دیکھا۔ یہاں سے امام مالک کی مراد اہل مدینہ منورہ ہیں۔

وَقِيلَ لِعَمْرِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هَذِهِ
حَضَرَتْ عَمْرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَلَيْهِ الرِّحْمُ حَبِ خَلِيفَةُ بَرِّ تَوَانِ

الد سر اہم البیض فیہا کتاب اللہ یقبلہا
 الیہودی والنصرانی والجنب والحا یض
 نان رأیت ان تامن بحدھا۔
 سے گزارش کی گئی کہ چاندی کے ان دروس پر کلام اللہ
 کی آیتیں نقش ہوتی ہیں، یہودی بھی ان سے معاملت کرتے ہیں۔
 نصرانی بھی، انجیل مرد بھی اور ناپاک عورتیں بھی، اگر آپ کی رائے
 ہو تو نقش آیات کے ملنے کا حکم دے دیجئے۔

فقال۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا۔

”اردت ان تحتیم علینا الامم ان خیرنا
 تو حیدر بنا واسم نبینا صلی اللہ
 علیہ وسلم“
 اس کہنے سے تمہاری غرض یہ تھی کہ دنیا کی قومیں ہم پر
 اعتراف کریں کہ خود ہم نے اپنے پروردگار کی توحید اور
 اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شادیا۔

(م)

اس طویل اقتباس سے آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ تغظیم اللہ کے متعلق۔

اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل کیا تھا؟

امام مالک رضی اللہ عنہ کا فتویٰ کیسے؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز کیا کہتے تھے؟

بدرعصر تابعین میں کہ خیر القرون کا جزو ثانی تھا، کلام الہی کے ادب کی نسبت مذہبی رائے کیا تھی؟

بے شہر مسلمان کا مقدس فرض ہے کہ اس مجموعہ برکت و رحمت کو ادب و احترام کی نظر سے دیکھے، اجمالاً

اکرام کے ساتھ اس کے لئے گوش بردار رہے، یہ بھی تغظیم ہے، لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

آپ ظاہری تغظیم پر زور دیجئے، چشم مارو سن۔

آپ تر مصحف کے لئے ظہارت شرط کیجئے، دل ماشاد۔

لیکن عمل بھی تو ایک شرط تغظیم ہے۔ اس کو کیوں بھول جائیے؟

انفی حکمت کن از بہر دل عامے چند

تقسیم دیگر یہ کلام اللہ کے اگر یہی معنی ہیں کہ بغیر طلبات کے ملاوت نہ کی جائے بے وضو کوئی اس کو چھونے نہ پائے تب یہ تہ رشتی جز دان اس پر چڑھے دیں بے ادبی کے خوف سے رسالوں اور اخباروں میں اس کی آتیں نہ لکھی جائیں۔ تو کیا اتنا کر لینے سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے؟

فرض کر دیا ایک شخص کا عمل قرآن پر نہیں ہے اور اس کے کردار و گفتار سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام الہی کی عزت سے اس کا دل بے بہرہ ہے۔ مگر ظاہری تعظیم میں وہ نہایت مبالغہ کرتا ہے اور ہمیشہ سے جو رسم و رواج چلا آتا ہے۔ اس کے مطابق مرد و عورت کا بڑی سختی سے پابند ہے۔ کیا تم ایک لحظہ کے لئے بھی اس کی تعظیم کو قرآن کریم کی اسی تعظیم پر محمول کر سکتے ہو؟

اصحابِ تعلیم ظاہر و داریوں سے بے نیاز نہ اس کا منشا محض اس قدر ہے کہ آسمانی کتاب جی تعلیمات کو دنیا میں عام کرنا چاہتی ہے اور نوع انسان کی بھلائی کے لئے جو احکام اس نے مقرر کر رکھے ہیں انکی پابندی کی جائے قرآن اس لئے نہیں اترا تھا کہ لوگ اس کو آنکھوں سے لگانے اور سر پر رکھنے کو کافی سمجھیں قرآن کے نازل ہونے کی غاص غرض یہ تھی کہ دنیا اس کی روشنی سے منور ہو اور اہل دنیا اس کو اپنے معاملات کا دستور العمل بنائیں۔

(2)

ظاہری عظمت کے لئے دلیل یہ دیا جاتی ہے کہ خود قرآن کریم نے لَا يَحْسَبُهُ الْكَاافِرُونَ - پاکوں کے سوا کوئی اس کو چھرنے نہیں پاتا، اکی تاکید کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آیت کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ کفار کو اعتراض تھا کہ قرآن منجانب اللہ نہیں ہے۔ بنائی ہوئی باتیں ہیں فلاں کس دہم کی تکذیب کی اور فرمایا کہ۔

اِنَّهُ يَنْفِرَانُ كَرِيْمٌۭ ۝ فِى كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَا يَمَسُّهُۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلُ يَوْمِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّذْهِبُوْنَ

یہ قرآن تو بڑی بزرگی کا قرآن ہے۔ محفوظ کتاب میں
موجوہ ہے۔ پاکوں کے علاوہ کوئی اس کو چھنے نہیں با تا پروردگار
عالم کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیا تم اس کلام سے منکر

وَيَجْعَلُونَ رِزْقَهُمْ أَتَكْمُلُ تَكْنِي بُونَ۔ ہو اور تم نے اپنا واثب باندھ لیا ہے کہ (اس کو)
(سورہ واقعہ - رکوع ۳ - آیت ۷۷) جھٹلاتے ہی رہو گے۔

آیت میں صاف مذکور ہے کہ کفار کو اس پاک کلام کے کلام اللہ مجھے سے انکار تھا اور انہوں نے اس کے جھٹلانے کو اپنا فرض قرار دے رکھا تھا جس کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ لوح محفوظ میں بڑی احتیاط سے لکھا ہوا موجود ہے۔ اور خدا کے پاک نفس بندوں کے علاوہ کوئی اس کو چھونے تک نہیں پاتا۔ پھر اس میں کی دینی کی گنجائش کہاں رہی۔ اور کوئی اس کو جھٹلا کر نکال سکتا ہے؟

(۵)

اس آیت کی تفسیر میں متعدد حدیثیں مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباس و جابر بن زید ابونہیک سے روایت ہے کہ "وہ قرآن جو آسمان پر ہے پاکوں کے علاوہ کوئی ادا اسے نہیں چھو سکتا"

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ "مطلب یہ ہے کہ قرآن ایسی محفوظ کتاب ہے کہ اس پر غبار تک نہیں آسکتا۔
ضمحاک کہتے ہیں کہ "کفار کو گمان تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر شیاطین نے قرآن نازل کیا ہے۔
اس کا جواب ملا کہ وہ محفوظ کتاب ہے۔ پاکوں کے علاوہ تو اس کو کوئی چھو تک نہیں سکتا۔ وہاں کسی کی دسترس کہاں؟"

سید ابن جبیر و عیسیٰ ابونہیک و جابر بن زید و مجاہد نے "لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔"

کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "اس سے مراد فرشتے ہیں"

ابوالعالیہ و ابن زید و قتادہ نے روایت کی ہے کہ "یہ مطلب کہ پاکوں کے سوا کوئی قرآن کو چھونے نہیں پاتا۔ اس میں پاکوں سے خدا کے پاک فرشتے مقدس پیغمبر اور پاکیزہ خصال و پرہیزگار بندے مراد ہیں اور قرآن سے وہ قرآن مراد ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ ورنہ دنیا میں تو اس کو

ناپاک مجوسی اور گندے منافق بھی چھوٹے ہیں۔

اسی طرح کی اور بہت سی روایتیں تفسیر ابو جعفر ابن جریر، مبلد ۲، صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

آیت میں نہ صیغہ پہلی دار دہے اور نہ معنوی پہلی کی صورت نکلتی ہے بات صرف اتنی تھی کہ قرآن کریم کے محفوظ و منجانب اللہ ہونیکا یقین دلانا تھا۔

(۶)

ہاں یہ منشا ہرگز نہیں کہ قرآن کریم کی ظاہری تعلیم ترک کر دی جائے۔ ردِ معاصرت اس قدر ہے کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہئے۔ حیف ہے کہ ظاہر میں تو قرآن کریم کا ہم اس قدر ادب کریں کہ جب تک وضو غسل نہ ہو اس کو چھونا اور اس کے الفاظ کا زبان پر لانا منوع سمجھیں اور باطن کا یہ حال ہو کہ تعلیمات قرآنی سے ہماری روش اتنی مخالف ہے کہ گویا دل کو یہ بھی یقین نہیں کہ یہ کلام خدا کا کلام ہے اور اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ہم پر فرض ہے۔

(۲) اصل تعلیم یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام پر ہمارا عمل ہو، اور ظاہری تعلیم یہ ہے کہ کلام اللہ پر عمل کرنے کے ساتھ کلام اللہ کے مروج احترام میں بھی کوئی دقیقہ رہ نہ جائے باطن و ظاہر دونوں جہتوں سے ہم پر وہ دونوں حدیثیں صادق آئیں جن میں ایک سے کانِ عملہ القرآن کی ترغیب نکلتی ہے اور دوسری تہلّقوا باخلاق اللہ کی ہدایت کرتی ہے ظاہر ہے کہ اخلاق اللہ سے تعلق بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہم کلام اللہ سے رجوع کریں اور باطن و ظاہر ہر حیثیت سے اس کی تعلیم بجالائیں۔

(۳) یہ نہایت مخدوش استدلال ہے کہ "فلاں بزرگ جو تکلف کرتا تھا اس کو اٹھایتے تھے کہ یہ اللہ کی شکل اور یدِ ب کی صورت ہے۔ فلاں بزرگ نے سن کے کعبیت میں داخل ہوتے ہی جوتا اتار لیا کہ اس کا غلغلہ بنتا ہے اور اس پر قرآن شریف لکھا جاتا ہے میں اس میں جوتا پہنے کیوں کر ملیں" بے شبہ یہ واقعات

ان بزرگوں کے کمال احترام کا نتیجہ ہیں۔ مگر جہاں وہ اس ظاہری ادب کے پابند تھے وہاں کلام اللہ کی اصلی عظمت بھی ان کے دل میں اس قدر تھی کہ تمام نادانہ و اطور اسی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اسی کے نمونے بنے ہوئے تھے۔

(۴) ظاہری تعظیم یعنی بے پلہارت نہ چھونے کے لئے قرآن کریم سے جو دلیل پیش کی جاتی ہے اس سے یہ مقصد نہیں ثابت ہوتا۔

(۵) جو لوگ خدا نخواستہ آیات قرآنی کی بے حرمتی کرتے ہیں وہ خود گنہگار ہوں گے۔ لیکن اس خوف سے یہ منسب نہیں کہ مسلمانوں کی تحریر و تقریریں اسی سے نہ پائیں۔ خدائے تعالیٰ کے احکام میں تو بھی تک اس ممانعت کی تصریح نظر نہیں آئی۔

(۶) یہ فتویٰ کہ بجائے اہمیت نقل کرنے کے سورہہ داکہ کا مزید لکھ کر اس کے ترجمہ کا حوالہ دیا کریں شاید ان راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے لئے تشغیغی بخش نہ ہو جن کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے کسی جز کا ترجمہ بغیر اصل عبارت کے لکھا اس لئے قابل احترام ہے کہ ممکن ہے کسی وقت میں یہ رواج عام ہو جائے انجیل و تورات کی طرح قرآن کے لئے بھی لوگ صرف ترجمہ کافی سمجھنے لگیں اور انہیں کی طرح مبادا اس میں بھی تحریف کی گنجائش نکل آئے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا تعظیم صرف قرآن کے الفاظ کی آؤنی چاہئے اس کے مطالب کی نہ ہونی چاہئے۔ لفظ کی عظمت میں اگر مٹنے کا دخل ہے تو کیا دج ہے کہ کلام اللہ کے صرف الفاظ مقدس مانے جائیں۔ لفظ و معنی اگر دونوں مقدس و متبرک ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ آیات قرآنی کے الفاظ تو اس لئے نہ لکھے جائیں۔ کہ ان کی بے ادبی ہوگی اور معانی ترجمہ کر کے اس لئے لکھ دیئے جائیں کہ اس کی بے ادبی ہوئی بھی تو کچھ مضائقہ نہیں۔

انکار بشری کی آزادی میں قرآن کا حصہ

(شیخ عبدالعزیز شادیش مرحوم کے خطبات)

(خطبہ اول)

اب سے چند سال قبل مسر کے مشہور فاضل شیخ عبدالعزیز شادیش مرحوم نے مدرسہ دارالعلوم قاہرہ میں عنوان مذکور پر چار خطبات کیے تھے جن کا ترجمہ صفحات ذیل میں درج کیا جاتا ہے ضروری نہیں ہے کہ شیخ کے تمام خیالات سے ہم متفق ہوں لیکن مجموعی حیثیت سے ہم خیال کرتے ہیں کہ شیخ نے جس پہلو سے قرآن مجیم پر نظر ڈالی ہے اس پہلو پر بہت کم لوگوں نے توجہ کی ہے۔ (ریڈیٹر)

حضرات:

غالباً یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ انکار بشری کی تحریک تحریر (آزادی) میں قرآن مجید کے انکار کو بیان کرنے سے پہلے میں آپ کے سامنے ایک مختصر تاریخی بیان پیش کر دوں جس سے معلوم ہو کہ ظہور اسلام سے پہلے دنیا کی بڑی بڑی قومیں کن انقلابات سے گزری ہیں اور اس کے بعد کئی صدیوں تک قوموں کی عقلوں میں کتنی قسم کا مدوجزر اور آزادی و غلامی الٹ پھیر رہا ہے اور یہ بیان ہم کو اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے میں مدد دے گا کہ قرآن نے عقل انسانی کو اس کا پورا پورا حصہ دلانے اور اسے اس مقام تک پہنچانے میں کس قدر حصہ لیا ہے جس تک انسان کے خالق نے اول آفرینش میں اس کا پہنچنا مقدر فرمایا تھا۔

سلطنت روم (Roman Empire) کے عام سیاسی قانون کی بنیاد، ادیان و عقائد اور انکار کی کھلی ہوئی آزادی پر مبنی، اور وہاں یہ حالت برقرار قائم رہی تا آنکہ کبھی مذہب اور پمیں داخل ہوا، اور اس کے ساتھ

ہی روک ٹوک اور قیود اور بندشوں کا وہ دور شروع ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

قدیم زمانہ میں بعض شعروہو مانا اور مذہبی پیشواؤں کے اثر سے لوگ جن خرافات اور رسوم اور تنگ نظری و تنگ دلی پیدا کرنے والے انسانوں کے حال میں بچنے نہ تھے ان سے انکار کو آزاد کرنے میں سب سے زیادہ جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں ہرقلیتوس (HERACLEITUS) اور دیموکریت (DEMOERITUS) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں نے مادہ طبیعیہ کی تحقیق و لغتیش کے بعد نفس بشری کے احوال اور سیاسی مسائل سے بحث کی، اور اپنی تمام کوششوں اور کادشوں میں ایک ہی چیز کو اصل الاصول قرار دیا یعنی ہر شے کو عقل اور فکر کی کوٹی سے پرکھنا یہی طریقہ انکسائوس (ANAXAGORAS) کا بھی تھا اس نے لوگوں کو بتایا کہ یہ سورج جس کی تم صبح شام پوچھا کرتے ہو، یہ محض آگ کا ایک تودہ ہے، خدا نہیں ہے کہ اس کی پرستش کی جائے۔

ان فی عقل کو ادہم کی بندشوں سے آزاد کرنے میں ان فلاسفہ نے جو کچھ کیا، اسی نے ان علمائے تربیت کے لئے راہ صاف کی جو مونیہ یا سفسٹائی (SOPHISTS) کے نام سے موسوم ہیں، جو پانچویں صدی قبل مسیح ظاہر ہوئے اور جنہوں نے قرن مذکور کے نصف ثانی میں افلاک دیاست کے نقطہ نظر سے حیات اجتماعی کے قواعد و اصول وضع کئے اور خطا و صواب، عقل اور توازن، منطق و خطابت وغیرہ سے بحث کی۔ لیکن یہ سب باتیں ایک بہت ہی قلیل طبقہ علمائے اور مفکرین کے طبقہ سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بہت عوام، تودہ ہر جگہ خرافات اور باطل عقاید کے دام میں اسیر تھے البتہ اس عہد میں ایتھنز (ATHENS) جس آزادی فکر اور سیاسی مسائل میں بحث و کلام کی حریت سے بہرہ مند تھا، اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا خصوصاً ایتھنز کے زعمیم حریت پر لیکل (PERICLES) کے عہد میں کہ وہ آزاد مفکرین کا بڑا حامی تھا اور اسی کی طاقت نے ایتھنز کے دیوتاؤں سے انکار کرنے والے فلسفی انکسائوس کو قانون کی گرفت سے بچایا۔

اس زمانے کے واقعات و حوادث کے مطالعہ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ادیان کے خلاف خروج کرنے والا سر اسے کبھی نہ بچ سکتا تھا اور اس مضمون میں جو کتاب شروع ہوتی تھی اس کے نسخے جمع کر کے جلا ڈالے جاتے تھے اور ان کی ذرشت کو مٹوا

قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن بے دین منطقیوں (RATIONALISTS) کے خلاف جو منظم خروشیں اور باقاعدہ سختیاں پہلے ہوتی تھیں وہ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں کم ہونے لگیں، جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اہل ان لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور ان کا گروہ پھیلتا جا رہا تھا۔ یونانیوں اور رومیوں کے ہاں ان کی انتہائی علمی زندگی اور مادی ترقی کے زمانہ میں جو عقائد یا مسلمے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مطلقاً مذہب عوام کے لئے نافع اور ضروری ہے جو کہ حقیقت میں مذہب کے مقابل نہ تھے وہ بھی سیاست عامہ کے ایک کنکری حقیقت سے اس کے فائدے کے ضرور قائل تھے۔ کیونکہ ان کے فلاسفر اکثر اس قسم کے عقائد اور نظریات کی اشاعت کا اقدام کر چکے تھے جو حیات اجتماعی میں اضطراب اور برہمی پیدا کرنے والے ہوتے تھے۔ یونانیوں میں سے جن لوگوں کا قدم اس میدان میں سب آگے تھا، ان میں ایک سقراط ہے، جو بجا طور پر ان علماء تربیت میں سب سے زیادہ جلیل القدر سمجھا جاتا ہے جس نے اس کو نئے ذہن کے لئے روزگار بنا دیا تھا۔ وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں اور مناسبت کے طریقی میں نہایت مضبوط تھا اور جو لوگ اس سے گھٹا کرتے یا اس کا کلام سننے، ان کو اپنے زور تقریر سے اس نقطہ پر کھینچ لاتا تھا کہ معروف و مقبول عام عقائد کو بغیر جاننے پر کئے تسلیم نہ کریں، ان کو عقل و فکر کی کوئی پرکس کر دیکھیں رسوم و تقالید کی بندشوں میں بندھے نہ رہیں عوام کی خواہشوں اور غلبتوں سے بے پروا ہو جائیں اور بہت بحث و تحقیق کے لئے اپنے سینے کو کٹا وہ کہیں سقراط نے علم کی اشاعت اور تلاش حق اور فکر صحیح کے طریقوں کی جانب اپنے عہد کے جوانوں کی رہنمائی کے لئے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط میں یونان ایک ایسی فکری حرکت کا میلنا بنا ہوا تھا جس کی ابتدا کرنے والے یا تو ریٹ کا دہندا چاہتے تھے یا شہرت و نام وری کے طالب تھے۔ ان لوگوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جہل و رشک کے طریقوں میں غلو کی انتہا کر دی تھی، اور ان کو اس کی کچھ پروا نہ رہی تھی کہ ان طریقوں سے لوگ کس قدر گمراہ ہوں گے اور اس کے کیسے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے ان لوگوں نے حق اور باطل، فضیلت اور ذلیت کو ایسا گڈا اور غلط طے کیا کہ لوگوں کے لئے صحیح اور غلط میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ اور علم صحیح کے نشانات دیدہ و رنگا ہوں سے چھپ گئے انہوں نے فکر و نظر کے

شعبوں میں سے کوئی شعبہ اور معرفت کے میدانوں میں سے کوئی میدان نہ چھوڑا جس کے اساس دارکان میں تشکیک کے تیشے نہ چلائے ہوں نہ اس غرض سے کسی علمی فائدے تک پہنچیں، یا صحیح نتائج حاصل کریں، بلکہ محض بھٹکنے اور بھگانے کے لئے، محض جاہل بننے اور بڑانے کے لئے۔

پس جب سقراط عقل نہ دہیں گئے سدید اور علم صحیح لے کر آیا تو اس کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق کلام کرے اور ان کی رہنمائی کے لئے اسی راستہ پر چلے جس پر دوسرے لوگ ان کو گمراہ کرنے اور ان کو بھٹکانے کے لئے چلتے تھے اگر وہ ان کی تعلیم دارشاد میں ان راہوں سے الگ کوئی راہ اختیار کرتا جن کے وہ لوگ گردیدہ ہو چکے تھے، تو وہ نہ ان کو اپنے طریقہ کی طرف کھینچ سکتا اور نہ اپنے مقاصد کی کامیابی حاصل کر سکتا۔ سقراط کے زمانہ تک تربیت عالیہ کو یونان کے سیاسی اور مفکرین کے مقاصد میں شامل ہونے کا ثمر حاصل نہ ہوا تھا، باوجودیکہ ایتھنز اس عہد میں اپنی جمہوریت اور رواداری اور آزاد خیالی کے لئے تمام دنیا میں مشہور تھا۔ مگر تاریخ ہم کو حریت فکر کی طرف دعوت دینے والوں اور عقل سے فیصلہ چاہنے والوں کے خلاف اہل ایتھنز کے ظلم و ستم کی وہ وہ داستانیں سناتی ہے جن کے بار کرنے سے وہم لگا کر تا ہے۔ سقراط منظرہ و مجاہدہ اور تشکیک و نقد کے فن میں پرلے درجہ کا ماہر تھا، اور لوگوں کے رسوم و عقائد کی پابندیوں سے اس کی آزادی مشہور تھی اس کے مقابلے میں یونانیوں کے اندر ایک ایسی روح کام کر رہی تھی جو جدید عقلی زندگی کی دشمن تھی۔ وہ فلاسفہ اور ان کے سردار سقراط سے جنگ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے جھوٹے قصے گھڑ کر ان کو بڑا نام کیا، ان کا مذاق اڑایا سقراط جیسے شخص کو زندیق، بے عمل اور گمراہی کی طرف بلانے والا مشہور کیا، یہاں تک کہ یونانی قوم اس ظالم طریقہ اور اس کی محذور و ناجوازوں کے عقاید خرافہ کو بالآخر دیکر ۳۹۹ء قبل مسیح میں قتل کر دیا۔ اس کو ناجوازوں کے عقاید خرافہ نے کا الزام تھا۔ اس کو رد کرتے ہوئے اس نے دہائیت پیش کی تھیں۔ اب ہر شخص کا فرض ہے کہ جب وہ دیکھے کہ اس پر ظلم کیا جا رہا ہے تو اس کا مقابلہ کرے، خواہ تو بوجہ مخالف ہو یا موافق اور چاہے وہ ظلم کرنے والا کوئی صاحب اثر آدمی ہو، یا کوئی حکمہ ہو۔

۲۔ اپنی بات ہرگز نہ ملے کیونکہ آزاد مباحثہ میں بڑی مصلحت، اور یہی چیز علم صحیح کی مناس ہے۔ اس کے ۷۰ برس بعد ارسطو کو بھی اسی انجام کے خوف سے ایٹھنر چھوڑنا پڑا، کیونکہ وہاں اس کو بھی ملحد شمار کیا جانے لگا تھا۔

سقراط کے سب سے زیادہ جلیل القدر شاگرد افلاطون نے ایک نئی ضرب لگائی جس نے حریت فکر و مباحثہ کی جانب پیش قدمی کو رجعت سے بدل دیا وہ اپنی مثالی ریاست (Ideal State) میں لوگوں کو ایک خاص بن قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے جس کا خاکہ خود اس نے پیش کیا ہے جو کوئی اس دین پر ایمان نہ لائے افلاطون اس کو قتل اور قید کی سزا دینا چاہتا ہے۔ وہ گفتگو اور مباحثہ کی آزادی کو بھی سزائوں سے رد کرتا ہے جو اس نے اپنی کتاب میں تجویز کی ہیں۔

سقراط کی تعلیمات اکیلا یا سرخوشہ تھیں جس سے فلسفہ کے متعدد مذاہب رونما ہوئے اور فلاسفہ کا ایک نیا گروہ پیدا ہوا جن میں افلاطون اور ارسطو اور رواقیہ (Stoics) وغیرہ شامل ہیں جن کے مذاہب تیسری صدی قبل مسیح سے بلا دیونان کے اطراف میں پھیلنے شروع ہوئے، اور جنہوں نے عقلی زندگی کے دروازے کھول دیئے اور اہل یونان میں فکر و تدبیر کی قابلیت پیدا کی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ گو ایپیکورس (Epicurus) اس دوجہ میں تدبیر و تصرف کرنے والی خدائی حکومت کا منکر تھا، اور اس کی نظر مادہ اور مادیات کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکی تھی مگر اس کے باوجود وہ ہدایت فکر کی دشوار گزرا گھایٹوں سے اس حیرت ناک سرعت کے ساتھ گزرا کہ سوئی ہوئی عقلیں چونک پڑیں اور صدیوں تک زمانہ اس کے اثر کو نہ مٹا سکا۔ حتیٰ کہ ایک رومی شاعر کو تو اس کے فلسفہ میں جی اہام کا جلوہ نظر آیا جس کو اس نے اپنے قصیدے ”طبیعتہ دنیا“ نامی میں بیان کیا ہے۔

انسانی عقل کی آزادی میں رواقی فلسفہ کا بھی کچھ کم حصہ نہ تھا بلکہ درحقیقت اس مذہب نے ان توانیں اجتماعیہ کو ایک منظم اور مفصل طریق پر پیش کیا، جن کا سقراط نے کچھ بھی ذکر نہ کیا تھا رواقی فلسفہ نے رومی

قوانین پر خاص اثر کیا، کیونکہ رومی سلطنت کے قانون مدنی کی بنیاد تمام ادیان کی کھلی ہوئی آزادی اور اظہار رائے کی پوری حریت پر تھی، جبکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

————— (خطیبہ دوم) —————

حضرات!

رومی سلطنت اسی آزادی فکر اور حریت دینی کے قانون پر چل رہی تھی، اگرچہ مسیحی مذہب یورپ پہنچا اور رومی قوم نے اپنی صنم پرستی کی حفاظت کے لئے مذہبی آزادی کے اصول کو خیر باد کہہ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رومی اس مذہب کو بہنویت کی ایک شاخ سمجھتے تھے، اور بہنویت بالطبع رومیوں کے دینی عقاید کی مخالفت تھی اور رومیوں کو ایک آن نہ بھاتی تھی، یہودیت اور اس کے شبہ میں مسیحیت رومیوں کی شدید نفرت اور بغض کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترا جان (TRAJAN) نے ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا جو دین نصرانی کے پیرو تھے اگرچہ اس کے ساتھ ایسی قید بھی مائد کر دیں کہ حد سے زیادہ قتل عام نہ ہونے پائے لیکن بعد میں قیصر ڈیو کلیتین (DIOCLETIAN) نے حکومت کے مذہب کی تائید کرنے کا عزم کر لیا اور پوری سنگدلی اور فساد کے ساتھ مسیحوں کا قتل عام کرایا اور حقیقت میں چیرنے اس فرمانروا کو ان جرائم پر آکڑہ کیا وہ یہ بھی سمجھتا کہ مسیحیت رومیوں کی اس عبادت کی مخالفت تھی جبکہ مرکز دین ایمپائر کا تخت تھا بغلاف اس کے رومی فرمانروا اس کو ضروری سمجھتے تھے، کہ توہین ان کو اپنی عبادت کے لئے مخصوص کر لیں تاکہ ان کی وحدت قومی باقی ہے اور اس تخت کے انکار خالص تعلق قائم ہے جو پوری سلطنت کا مرکز ہے۔

لیکن فلسطین، عظم کے نصاریت میں داخل ہوتے ہی نقشہ بدل گیا اس سے پہلے دو صدیوں تک مسیحیت کے پیشوا یہ اعلان کرتے رہے تھے کہ مذہبی رواداری واجبہ اور عقاید وہ چیز نہیں ہیں جو زبردستی انسان کے سر پر جکایا سکتی ہو مگر فلسطین کا مسیحیت میں داخل ہونا تھا کہ سرے سے یہ سب اصول بٹ گئے۔ اب حکام اور فرمانروا بدستور سیاسی اغراض کے لئے، اور عوام کے مختلف گروہ آپس کے مذہبی اختلافات کی بنا پر فتنوں کے شعلے بھڑکانے لگے جگہ جگہ ہوں کہ قتل عام برپا کرنے لگے، دنیا سے امن سلامتی رخصت ہو گئی دلوں سے راحت و اطمینان کی متاع چھین گئی۔

ان کی تعلیم یہ تھی کہ نجات مسیحیت قبول کے بغیر ہو نہیں سکتی، اور جو اس کو قبول نہ کرے اس کو کوئی فدیہ نہ عذاب نہ ملے بچا سکتا ہے اور نہ عذاب آخرت چاہے اس میں کیسے ہی فضاہل ہوں اور اس نے کیسے ہی نیک کام کئے ہوں وہ کہتے تھے کہ اگر بچہ پتھر لے لے بغیر چلے تو وہ آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ پیٹ کے بل دوزخ کی زمین پر گھسنا ہے گا، ان کے مقدس ترین آدمیوں میں سے ایک سینٹ اگسٹائن (ST. AUGUSTINE) متوفی ۴۳۰ء نے نصرانیت قبول نہ کرنے والوں پر جبر و ظلم کرنے کے لئے ایک نظام مقرر کیا تھا جو اس کے بعد بارہویں صدی تک مسلسل چلتا رہا جب کبھی نصاریٰ کے درمیان کوئی بدعت رد نہا ہوتی یا کوئی ایسا عقیدہ نکلتا جو چرچ کے نفوذ و اثر کو کم کرنے والا ہوتا، تو اس عقیدہ کے پیروں پر پادریوں کی طرف سختیاں کی جاتیں اور ان کو سزائیں دینے میں انتہائی مبالغہ کیا جاتا تھا، پوپ انوسنٹ سوم (INNOCENT) نے کوٹ ٹولوز کو حکم دیا کہ اپنی رعایا میں سے اس گروہ کا استیصال کرے جس پر مذہبی بدعت کا الزام تھا، اور جب کوٹ نے اس کا حکم نہ مانا تو پوپ نے اس کے خلاف صلیبی جہاد کیا جس میں اس کی قوم فنا ہوئے تھے رگھئی، کوٹ کی املاک ضبط کی گئیں اس کی شوکت مٹا دی گئی، اور پوپ نے اس سے اس وقت تک صلح نہ کی جب تک کوٹ نے اپنے ملک سے اس مذہب کا کلی استیصال کر لینے کی شرط نہ مان لی۔

اس طرح ۱۲۳۰ء میں لمحدین کی تحقیقات کے لئے نظام تفتیش (INQUISITION) قائم کی گیا اس کی تنظیم پوپ انوسنٹ چہارم کے عہد میں ۱۲۵۲ء میں مکمل ہوئی۔ تمام نصرانی ممالک میں اسے پھیلا گیا۔ پادریوں کو اس میں مفتش مقرر کیا گیا۔ پاپاؤں کی جانب سے ان کو مطلق اختیارات عطا کئے گئے جس کے استعمال میں ان کو کوئی باز پرس نہ کی جاتی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی نصرانی سلاطین نے بھی لمحدوں کو سزائیں دینے کے لئے سخت نظام قوانین مقرر کئے۔ باوجودیکہ فریڈرک دوم (FREDERICK) نہایت آزادی خيال شخص تھا لیکن اس نے بھی ایک حکم صادر کیا کہ جو کوئی نصرانیت میں کوئی بدعت نہ لائے، وہ دین سے خارج سمجھا جائے، اگر تو بزرگے تو جلادیا جائے اگر تو بزرگے تو قید کیا جائے۔ اور اگر تو بزرگے تو قتل کر دیا جائے اور ہر صورت ان سب کی املاک ضبط کی جائیں اور ان کے گھر ڈھائے جائیں ران کے بچے اور عورتیں تک حمہ کے مستحق نہیں ہیں، اگر وہ لمحدین و مسیحیوں کی

مغربی نہ کریں (چاہے وہ ان کے باب ہی کیوں نہ ہوں) انہوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سختی کا یہ تاؤ کیا جائے۔ فرطیک نے
 الحاد اور بدعت کے لئے سولی کی سزا مقرر کی تھی یہ حکم اٹلی اور جرمنی میں ۱۵ سال تک ۱۲۲۱ء سے ۱۲۳۱ء جاری رہا۔
 پھر نظام تعقیب تمام مغربی یورپ میں پھیل گیا۔ ہنری چہارم وینچیم کے زمانہ میں انگلستان میں بھی الحاد کی سزا
 سولی سے دی جاتی تھی، یہ قانون ۱۲۸۵ء میں جاری ہوا، ۱۵۳۳ء میں منسوخ ہوا پھر دوبارہ ملکہ میری کے عہد میں
 جاری کیا گیا اور ۱۷۹۱ء میں خری مرتبہ منسوخ ہوا لیکن مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف بدترین وحشیانہ طریقوں
 کے ساتھ اس قانون کو براہ جاری رکھا گیا، اور اس کی قانونیت انیسویں صدی میں منسوخ کی گئی، اس دوران
 میں یہ قانون ان مسلمانوں اور یہودیوں پر نافذ کیا جاتا تھا، جن پر ارتداد کا الزام ہوتا تھا، مختصر یہ کہ نظام تعقیب
 نے یہ قاعدہ کلیہ مقرر کر رکھا تھا کہ "سو بے گناہوں کا قتل کیا جانا اس سے بہتر ہے کہ ایک شخص الحاد کرے" اس
 قاعدہ کے مطابق وہ کم سے کم شبہ کی بنا پر بھی لوگوں کو قتل کرتے اور جلاؤ لٹاتے تھے، اور کسی کو اپنی طرف سے
 مدافعت پیش کرنے کا حق نہ تھا، اور نہ کوئی محکمہ کسی حال میں تردید یا شہادت قبول کرتا تھا، چنانچہ پولیسٹ
 ہاشم نے ۱۲۸۶ء میں اعلان شائع کیا کہ طاعون اور آندھیلوں کا آنا دراصل جادو گردوں کے عمل کا نتیجہ ہے، لہذا
 ہر جگہ ان کو تلاش کرو اور جہاں ملیں بری طرح مارو اور قتل کرو۔ یہ حکم خصوصیت کے ساتھ انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ
 میں زیادہ زور کے ساتھ نافذ کیا گیا۔

بارہویں صدی کے آخر میں ایک دوسری دنیا سے اہل یورپ کی عقلوں کے لئے ایک نئی روشنی پہنچی، تاکہ انہیں
 ان بنڈنوں اور بندھنوں سے آزاد کرانے جن میں وہ جکڑی ہوئی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغربی یورپ میں
 اہل عرب کے واسطے سے فلسفہ ارسطو کی تعلیم پھیل ہی تھی۔ یورپ والوں کی عقلوں کو آزاد کرنے میں ابن رشد اور
 اس جیسے دوسرے فلاسفہ اسلام کا بڑا حصہ ہے اور ان کی تعلیمات کے اثر کو ملنے اور ان کا مقابلہ کرنے میں
 پاپائوں کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ پوپ یوحنا زدهم ابن رشد کی تعلیمات کی سخت بُرائی کرتا تھا اور اس
 کے وجود اور اس کی اشاعت کو محدود و مضرت مانتا تھا، جنوبی اٹلی میں سینٹ طاس اکون نے ۱۲۴۳ء میں

ارسطو اور سلاون کے فلسفہ کے مقابل کئیہ کے لئے ایک فلسفہ ایجاد کیا جس پر اب تک رد و کیتھولک چرچ قائم ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے فلسفہ میں انسانی عقل کو کوئی جگہ قرار نہیں ملتی بلکہ وہ اسے ایک نئے کی طرح ہوا میں اس طرح اٹائے پھرتا ہے کہ کہیں وہ ٹھہر نہیں سکتا۔

مورخین کا اس پر اجماع ہے کہ حرکت فکری اور نہضت علمی یورپ میں بارہویں صدی عیسوی کے قریب دو راستوں سے داخل ہوئی: ایک وہ تقادم جو دو صدیوں تک صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں فرنگی اقوام اور اسلامی ممالک کے درمیان ہوتا ہوا دوسرے وہ معاہدہ علمیہ جو عربوں نے اندلس، مغرب اور صقلیہ میں قائم کئے۔ اور محقق مورخین یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یورپ میں جن لوگوں سے نہضت علمیہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے، مثلاً راجر بیکن وغیرہ، وہ عربی زبان جانتے تھے اور لاطینی سے بھی واقف تھے جس میں قریب قریب ہر فن کے متعلق عربوں کے علوم و مباحث منتقل ہو چکے تھے۔ جہاں کہیں ان لوگوں نے ایجاد و ادبائع کے شرف کا دعویٰ کیا ہے، یا یہ شرف ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ انہوں نے عمداً وہ مصادر چھپائے ہیں جہاں سے مسائل انہوں نے اخذ کئے اور اپنے نفاذ میں کر دیئے۔ ان کے تاریخ نگار نے ثابت کیا ہے کہ انگریزی راجر بیکن نے جس کی طرف اہل فرنگ مستأذات (OPTIOS) میں سبقت کا شرف منسوب کرتے ہیں یہ مسائل ابن العیسیٰ سے اخذ کئے تھے جو طبیعات اور خصوصاً نور اور بصریات کے مسائل میں اہم مباحث لکھ گیا ہے پس وہ اہل قرآن ہی تھے جن کے ساتھ ربط و تعلق نے اہل یورپ کی آنکھیں کھولیں ان کی بصیرت پر سے جہالت کے پردے ہٹائے، اور صدیوں کی چھائی ہوئی تاریکی سے ان کو نکالا اگر مغرب کے باشندے اس وقت ہر حیثیت سے اسی مرتبہ عقلی پر ہوتے جس پر اہل قرآن تھے، تو عربی تمدن اور اسلامی حریت فکر سے رابطہ قائم ہونے کے بعد ان کی فکری بیداری میں ذرا سی بھی تاخیر نہ ہوتی لیکن اس زمانے میں مذہبی پیشواؤں کی گرفت ایسی مضبوط تھی اور سچی دنیا کی عقلیں کچھ اس طرح ان کی غلامی میں پھنسی ہوئی تھیں کہ اسلامی تمدن کے اثرات پوری قوت کے ساتھ آگے نہ بڑھ سکے۔ جو فلسفہ ان کے ہاں پہنچا اس کا رخ مذہبی پیشواؤں نے دینی مباحث کی طرف پھیر دیا اور کئیہ کی چار دیواری میں اس کو مقید کر دیا۔

اور اس طرح اس کی غایتِ طبعی تک نہ پہنچنے دیا۔

۱۵۲۹ء میں کیتھولک چرچ کی جانب سے اس معنوں کا جو فرمان جاری کیا گیا تھا، کہ تمام مجاہداتِ کفر پر پوز کیا جائے اور قوتِ وافیل کی تفسیر بجز اس طریقہ کے کسی اور طریقہ سے نہ کی جائے جو کنسیل نے مقرر کر دیا ہے، اس نے نصرانی دین میں عام ناراضی پھیلادی تھی، اور یہ حکم من جلد ان اسباب کے ایک بڑا سبب تھا، جن کی بدولت پرائسٹنٹ مذہب پیدا ہوا لیکن اس کے! وجود میں پرائسٹنٹ مذہب کے بانی و مقرر نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ حکومت، قوم کو وہ عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کر سکتی ہے، جسے وہ صحیح سمجھتی ہو، اور اسے حتیٰ کہ یہ کہ محدوں اور اس عقیدہ کا انکار کرنے والوں کا استیصال کر کے ایسی قسم کے عقل کش قواعد اصول فقہیہ جنہوں نے ایک مدت تک، حرکت فکر یہ کو اپنی اصلی رفتار پر نہ چلنے دیا۔

آخر کار سولہویں صدی کے اوائل میں انگلستان کا فلسفی فرانسس بیکن ظاہر ہوا جس نے فلسفہ دینی پر زبردست حملے کئے، اس کے عالیشان فضر کو دلائل کے تیشوں سے ڈھاکر رکھ دیا۔ لوگوں کو عقلی آزادی کی طرف دعوت دی، اور علمی مسائل پر جدید اسالیب بحث کرنے کی بنا ڈالی علمی تحقیق کرنے والوں نے اس کی رہنمائی کو قبول کیا اور اس وقت تجدیدِ علمی اور تجریدی عقلی کا وہ دور شروع ہوا جس کے ثمرات سے آج تک مشرق و مغرب مستفیع ہو رہے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ یورپ میں اسویں فلکِ جدید کی ابتدا ۱۵۴۳ء سے ہوئی ہے یہ وہ زمانہ ہے جب کوپرنیکس (COPERNICUS) کی کتاب شائع ہوئی جس میں اس نے سورج کے گرد زمین کا گھومنا ثابت کیا تھا پھر گلیلیو (GALILEO) نے اپنی دوربین کے ذریعہ سے مریخ کے چاند ثابت کئے اور یہ بھی ثابت کیا کہ زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے پھر کنسیل نے ان اکتشافات کا استقبال کس طرح کیا، فروری ۱۶۱۶ء میں مکتبِ مقدس نے فیصلہ کیا کہ کوپرنیکس کا مذہب نہایت رکیک ہے، اسے مسیح کی وصیت کے مطابق بدعتی ٹھیرا گیا اور اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط تک عدالتِ شمس کی تعلیم سے محروم رکھا گیا اس کا سختی نے اُن میں علومِ طبیعیہ کی ترقی پر بہت بڑا اثر ڈالا، اس طرح پوپ الکزیندر نے ۱۵۷۰ء میں مطالبہ پر نگرانی قائم کر دی تاکہ ایسے آزاد خیالات جن کو کنسیل پسند نہ کرتا ہوا، اشاعت نہ ہونے پائیں، چاہے وہ ثابت شدہ علمی حقائق ہی کیوں نہ ہوں، - فرانس میں مہرِ عدم

نے اس شخص کے قتل کی سزا مغز کی تھی جو کوئی چیز بلا اجازت طبع کرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یوہسپ کے کسی حصہ میں پریس کو انیسویں صدی سے پہلے آزادی نصیب نہیں ہوئی یہی زمانہ ہے جس میں کنیہ کا اقتدار ضعیف ہوا۔ اور لوگ دامنِ مذہبیت کا اقتدار بڑھا اور دستوری نظم و قوانین کا چرچا ہوا۔ فرانس میں جینیوی حکومت قائم ہوئی ۱۷۹۲ء تو پاپائے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ کنیوں کے خلاف ایک زبردست حرکت شروع ہوئی۔ پیرس میں تمام معابد کو بلا استثناء بند کر دینے کا حکم دے دیا گیا پھر جینیوہیر (ROBESPERRE) برسر حکومت آیا تو اس نے طے کیا کہ حکومت کا مذہب بزرگ دہر کی عبادت ہو۔ اس کے تھوڑی مدت کے بعد ایک نیا دین ایجاد کیا گیا جس کا نام دینِ فطرت تھا، اور یہ اس صدی کے فلاسفہ اور شعرا مثلاً والٹر (VOLTAIRE) وغیرہ کا مذہب تھا۔ اس کے قواعد یہ تھے کہ خدا اور بقا و روح کا اعتقاد رکھو، اور اخوت و انسانیت و دردمت کو شیوہ بناؤ، ورنہ اس دین کی دوسرے ادیان و مذاہب سے کشمکش برپا ہو جائے گی۔ اس نئے مذہب کو دینِ محبت الہی (THE OPHILANTHROPY) کے نام سے موسوم کیا گیا۔ مگر ۱۸۰۱ء میں نپولین نے اس مذہب کا تختہ الٹ دیا اور پاپائیت دوبارہ میدان میں آگئی۔ اس حرکت سے نپولین کا مقصد بجز اس کے کچھ نہ تھا، کہ روحانی اقتدار فائدہ اٹھائے اور آئندہ کی نظائروں میں اس سے کام لے اور کیتھولک دنیائیں اپنی سلطنت وسیع کرے۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں بہت سی سبھی جماعتوں کا عقیدہ اس وجہ سے متزلزل ہو گیا کہ اس زمانہ میں یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ تورات اور اناجیل کے بیانات میں تضاد و اختلاف ہے جس کو قبول کرنے سے عقل انکار کرتی ہے۔ اس سے انکار و محی کا خیال پیدا ہو گیا اور جگہ جگہ علمی مناقشات ہونے لگے انیسویں صدی میں قدیم رسوم و عقائد کے خلاف زیادہ منتظم حملے ہوئے اور ان میں سے اکثر کی جڑیں اکھاڑ پھینکی گئیں۔ اگرچہ اس زمانے کے علما میں خود بھی باہم اختلاف تھا بعض کھلم کھلا ان تعالیکہ منکر تھے بلکہ ان کو غیر معقول اور رکیک سمجھتے تھے، اور بعض اس حد تک نہیں پہنچے تھے۔ فرانسیسی عالم پاسکال (PASCAL)

ان پر ایمان رکھتا تھا۔ انگریز فلسفی لیکن فلاسف میں لامبرتیت کا اعلان کرتا تھا۔ مگر دل میں الحمد للہ چپائے ہوئے تھا دوسری طرف ڈی کارٹس (RENE DESCARTES) کو شش کر رہا تھا کہ عقل اور کنبہ میں موافقت پیدا کرے اس زمانہ میں بسا اوقات ہم کو کنبہ پر عقل کنبہ ملا نہ نظر آتا ہے مثلاً ہمارے دلوں کے معاملہ میں یا تو ہم یہ دیکھ لیتے تھے کہ لائبرٹ میں جبر اول بخیل کی آیت "تو جادوگر کو زندہ نہ پھوڑے" کے مطابق عمل کر کے من سکینوں سے نہایت سختی کے ساتھ پیش آرہے یا دوسری طرف ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ ہر نفور طشائے ایک جادوگر کی جو پوری سزائے قتل کا مستحق قرار دیتی ہے مگر حجاج کی بات کو قبول نہیں کرتا اور کنبہ کی تعلیمات اور عام رسم کو نظر انداز کر کے اسے رہا کر دیتا ہے اگرچہ انگلستان میں سائرس کے قتل کا قانون ۱۷۰۳ء میں منسوخ ہوا لیکن اس کے بعد بھی ۱۸۰۳ء میں اس کا طریقہ کی ایک عورت اس الزام میں زندہ چلائی گئی۔

قابل ذکر سبب میں سے ایک وہ ہے جس کی بنا البیٹ کے یہودی فلسفی اسپینوزا (SPINOZA) نے رکھی اس کا عقیدہ یہ تھا کہ عالم کا ایک خدا ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے اور یہ کہ انسان اپنے ارادوں میں آزاد نہیں ہے اور علت اولی یا علت العلل کا اعتقاد خرافات میں سے ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ وحدت الوجود یا وحدت الوجود کا اعتقاد رکھتا تھا، یہ ملحوظ خاطر ہے کہ یہ فکر تہذیبوں اور اٹھارہویں صدی میں آزاد فکر کے روز پس تھا کیونکہ اس پر عالم غضب اور تکفیر کا طوفان برپا ہو جاتا تھا اس کا اظہار صرت دقیق کتابوں ہی میں کیا جا سکتا تھا حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں جتنے لوگ آزاد خیال کہے جاسکتے تھے وہ سب کے سب الیسین تھے جو خدا پرستی کے تو قائل تھے مگر وحی کو نہ مانتے تھے۔

اسپینوزا کے معاصرین میں سے ایک لوک (LOCKE) ہے جس کی کتاب (ESSAY ON THE HUMAN UNDERSTANDING) کا سبب یہ ہے کہ علم تھیتہ تجربات کا نتیجہ ہے یہ حال میں عقل کو حکم عقلی کے تابع ہونا چاہیے جو یہ حکم عقلی کے خلاف ہو اس کے ماننے سے انکار کر دو خواہ وہ وحی ہی کیوں نہ ہو جو علم صحیح نظر عقلی سے حاصل ہوتا ہے وہ وحی سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس نے ایک کتاب نفسیت کو عقل کے

مذاہق بنانے کے لئے بھی نکلی تھی اسی ڈھنگ پر اس کا معاصر یال بھی چلا جس نے فرانس سے جلا وطن ہونے کے بعد بالینٹین لاپی کتاب القاموس الفلسفی (PHILOSOPHICAL DICTIONARY) مرتب کی۔ وہ کہتا ہے کہ اعتقاد کی نفیست بس اس میں ہے کہ خدائے واحد کی قدرت اور اس کی فرمانروائی پر ایمان رکھو۔ ایک اور موقع پر کہتا ہے کہ "الہیں کے لئے اُرَتھوڈوکس مذہب کے خدا کی صفات کو اس خدا کی صفات سے تطبیق دینا محال ہے جس کا وجود عقل سے ثابت ہوتا ہے مگر جب اُرَتھوڈوکس لوگوں میں سے ایک فریق نے عقل کو حکم بنانا قبول کیا تو وہ گمراہ ہو گئے اور ان میں سے اکثر الحاد کے گرہے میں جا پڑے۔ الہیں اور اسپینوزا اس امر میں متفق ہیں کہ آسمانی کتابوں کی تفسیر بھی اُس طرح ہوتی چاہئے جس طرح دوسری کتابوں کی ہوتی ہے سترہویں صدی کے آخر تک الہیں کے خیالات پوشیدہ تھے پھر جب قوانین مطبوعات منسوخ ہو گئے تو انہیں نے کچھ کچھ اپنے خیالات کا اظہار شروع کیا۔ پوری آزادی اب بھی نہ تھی کیونکہ اب بھی چند مرتضیٰ تھے۔ مثلاً مذہبی پیشواؤں کو حق تھا کہ جو کوئی سخی تعلیمات پر اعتراض کرے یا ان کی تقلید کے خلاف رائے ظاہر کرے یا مع پروردگاری کرے اسے قید کر دیں۔ اننگلستان کے لارڈ چیف جسٹس ہیل (SIR MATHEW HALE) نے ۱۶۸۹ء میں قانون عام کی یہ تعبیر کی کہ ہر وہ عمل یا قول جو کنسیہ کی تعلیم کے خلاف ہو، قانون عام کے خلاف ہو، قانون عام کے خلاف سمجھا جائے گا۔ کیونکہ نصرانیت انگریزی قانون عام کے ارکان میں ہے۔ ۱۶۸۹ء کے قانون عام میں یہ تصریح کی گئی کہ کسی نصرانی کے لئے کنسیہ کے اصول اور اس کی تعلیمات کے خلاف رائے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے جو کوئی ایسا کرے گا اس کو پہلی مرتبہ خدمت محرومی کی سزا دی جائے گی اور دوسری مرتبہ عام مدنی حقوق محروم کر دیا جائے گا۔ اٹھارہویں صدی میں والٹر اور روسو (ROUSSEAU) نے آزادی فکر کی تحریک کا چڑا اٹھایا مگر انکار کی کتاب امیل (EMILE) علامہ پیرس میں چھائی گئی اور حکومت نے اس کے مولف کی ژنڈاری کا حکم صادر کیا، تمام یورپ میں فریڈرک شاہ پر دیشا کے سوا کسی نے اس کو پناہ نہ دی۔ مگر وہاں بھی مذہبی پیشوا اس کے پیچھے تھے ہے یہاں تک کہ اسے پر دیشے بھی لنگے پر مجبور کر دیا۔ دوسرے اپنی کتاب العقد الاجتماعي (SOCIAL CONTRACT)

میں جو اشتراکی نظریات بیان کئے ہیں ان کا حیات اجتماعی پر بڑا اثر ہوا ہے۔ لیکن یہی کتاب اس زمانہ میں مملانیہ جنسیا میں اٹلانی لکھی تھی۔

سینٹ میس جس نے (HILBACH) کی کتاب کا مطالعہ کیا (SYSTEM OF NATURE)

شائع ہوئی جس میں اس نے خدا کے وجود اور بقائے روح سے انکار کیا تھا تو تمام ذرات ایسی ناظرین گھبراٹے تھے۔ غرض اٹھارہویں صدی میں گو اس تحریک کی مخالفت پوری قوت پر تھی، لیکن الحاد اور آزاد خیالی اس کے علی الرغم پھیلی ہی گئی۔

انیسویں صدی تک بھی مذہب اور آزاد خیالی میں کشمکش برپا رہی۔ چنانچہ ۱۸۷۱ء میں جب کارلا کا کتاب عصر العقل (THE AGE OF REASON) شائع ہوئی تو اُسے تین سال کے لئے قید کیا گیا دی گئی۔ پھر اسی کتاب کی بدولت اس کی یونیورسٹی اور بہت سے کتب فروشوں پر مقدمہ چلا گیا۔

غرض اٹھارہویں صدی کے وسط تک اہل یورپ کی عقلیں قدیم تقالید کی بندشوں میں بڑی طرح جکڑی رہیں اس زمانہ میں کیفیت یہ تھی کہ فریڈرک شاہ پر دنیا کے باپ نے فیلسوف وولف (WOLFE) کو گرفتار کر کے جرم میں نکال دیا کہ اس نے کنفیو شس کے مذہب کی تعریف کی تھی۔ گو باس فرانسوا کی رائے میں کنفیو شس تعریف کے سوا کسی مذہب کی تعریف کرنے کا حق ہی نہ تھا "مگر اسی باپ کے بیٹے نے اپنے ملک کو تمام ان لوگوں کے لئے جائے پناہ بنایا جو دوسرے ممالک میں حریت فکر کی بنا پر ظلم و ستم کا نختہ و مشق بن کر بھاگتے تھے۔ اٹھارہویں صدی کا مذہب

(KANT) نے اپنی کتاب عقل صیح (CRITIC OF PURE REASON) لکھ کر دنیا بھر میں پھل برپا کر دی اس نے رے ظاہر کی کہ اس کائنات سے خدا کے وجود پر استلال کرنا غلط ہے۔ اور بقائے روح پر جتنے دلائل قائم کئے گئے ہیں باطل ہیں اور دعویٰ کیا کہ علم کے لئے تجربے کے سوا کوئی مہرہ نہیں ہے لیکن آخر میں اس نے ایک اور کتاب لکھی جو الہیت کے اعزاز میں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حیات اجتماعی میں اخلاق کے معیار کو برقرار رکھنا چاہتا تھا جس کے لئے بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ ایک روحانی رنگ اختیار کیا جائے

اور آسمانی مصادر سے استناد کیا جائے۔

خطبہ سوم

حضرات!

گذشتہ خطبہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ باوجود مغرب میں علوم جدیدہ کا مرجع ستر ہوں صدی ہے جس میں کوپرنیکس کے نظریہ اور نظریہ جذب و کشش، اور نظریہ دورانِ خون، اور کیمیا، و طبیعیات جدیدہ قوانین کا ظہور ہوا۔ اور لوگ سیاروں کے نظام اور تاروں کی کائنات اور ٹوٹنے والے مادہ کی کیفیت سے واقف ہوئے۔ مگر انیسویں صدی تک یہ اکتشافات ان خامض مسائل کو نہ کی گفیر سے باز رہے جو بائبل کے عہد جدید اور عہد قدیم میں بیان کئے گئے ہیں، اور اگر انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ کیا بھی تو وہ بہت محدود تھا۔ پھر جب ان اکتشافات کی بنا پر مسائل کو نہ کی بحث شروع ہوئی تو اس کے ساتھ ہی اُن دینی روایات کی بحث بھی شروع ہو گئی جو ان کتابوں میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً طوفانِ نوح اور سفرِ نکوین۔ چنانچہ اس صدی کے اوائل میں لاپلاس (LAPLACE) آیا اور اس نے ظاہر کیا کہ سفرِ نکوین میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ہمیں وجودِ خالق کے نظریہ سے انکار کی طرف لے جاتا ہے پھر علمِ طبقاتِ الارض کی تحقیقات نے ترقی کی اور اس نے ایسے معروضات پیش کئے جو سفرِ نکوین اور تسمہ طوفان سے متناقض تھے۔

۱۸۶۲ء میں پروفیسر لائل (LYELL) نے اپنی کتاب قدمِ الانسان میں بیان کیا کہ انسان اس مدت سے بہت پہلے زمین پر آباد ہو چکا تھا جو تو رات نے معین کی ہے۔ مگر اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان دونوں متناقض بیانات میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ شاید قولات میں جو مدت بیان کی گئی ہے اس کے دل بہت زیادہ طویل ہوں اور ہمارے دنوں کی طرح نہ ہوں۔ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی تطبیق ان ایام پر نہیں ہو سکتی جس میں انسان پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ قولات کے بیانات سے تو یہی مستفاد ہوتا ہے کہ وہ دن ایسے ہی تھے جیسے ہمارے موجودہ دن کے دن ہیں۔ پھر حال اس کے مہذب کے فلاسفہ میں

عام خیال یہ پھیل گیا تھا کہ علم طبقات لائش نے اناجیل کی بنیادیں ہلا ڈالی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ کہنے کے لئے دروازہ کھلا ہوا تھا کہ نوع بشری کا وجود اس سے پہلے کی بات ہے۔ چنانچہ لوگ اسی مذہب پر تھے کہ علم الجیون نے انسان کی اصل کے متعلق ایک نئی تحقیق پیش کر دی اور انسان پر قانون نشو و نما کا اور تمام نوع میں طبیعی کو منطبق کیا خصوصاً جب سے ڈارون کی کتاب اصل اجناس (ORIGIN OF SPECIES) شائع ہوئی ہے (۱۸۵۹ء) اس کو حقائق ثابتہ میں شمار کیا جانے لگا ہے۔

۱۸۷۱ء میں جب ڈارون کی کتاب منشور انسان (THE DESCENT OF MAN) شائع ہوئی تھی اسی وقت سے ایک فکری شورش برپا ہو گئی تھی اور دینی وغیر دینی طبقوں کے درمیان مبادلہ و نزاع کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ حتیٰ کہ گلیڈ اسٹون کے متعلق مشہور ہے کہ اس زمانہ میں اس نے کہا تھا کہ:-
اگر ہم نظریہ نشو و نما کو مان لیں تو اس کے اعتبار سے خدا کی یہ حیثیت ردہ جائے گی کہ وہ ایک خالق تھا جس کا کام ختم ہو گیا۔ اور اگر قوانین کو نیزہ کے عدم تغیر کو تسلیم کر لیا جائے اور یہ قرار دے لیا جائے کہ یہ قوانین ایک ہی حالت پر دایماً قائم رہتے ہیں تو دنیا میں خدا کی حکومت کی کوئی حاجت باقی نہ رہے گی۔

اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ گذشتہ صدی کے وسط تک مغرب کے غیر اسلامی ممالک میں مرکز عقل اور حریت فکر کا کیا خیال رہا ہے تو اس کے لایس ایک سائے مرن ایک اقتباس پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ ایک انگریز کارڈینل کے اعلان کا لاپس میں کس طرح استقبال کیا گیا۔
مورنین لکھتے ہیں کہ:-

۱۸۷۸ء میں کارڈینل ماننگ (CARDINAL MANNING) نے اپنے ایک اعلان

سے تمام عالم نصرانیت کو حیرت زدہ کر دیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ ہر انسان کو وہی اعتقاد رکھنا چاہئے جس کو وہ اپنی نظر و فکر کی بنا پر صحیح سمجھتا ہو۔ اور یہ کہ کفر کو عقاید پر مجبور

کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ کہ امور اور اربابیت کا علم ممکن ہے بلکہ اس علم کو تنہا دینی امور کنیسہ کی رعبتوں ہی کا پابند ہونا ہو چاہئے۔ اور یہ کہ کیتھولک فرقہ والوں کو حق ہے کہ دوسری ملتوں سے نکل جانے والے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دیں۔ اور انہیں حق ہے کہ اپنی نماز کا دوازہ بلند بڑھیں۔ اور یہ کہ یورپ علمی ترقی اور حریت اور دینیت کے ساتھ تہنات رہ سکتا ہے ۵

دیکھئے تو یہی کہ مورخوں نے اس اعلام کو ان بڑے حادثوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے عالم فطرت کو حیرت زدہ اور ہمیشہ کر دیا حالانکہ منظر غائر دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ کارڈنیل نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا ہے جو عالم اساطیری کو اس دلت سے معلوم ہے جب سے قرآن کا نور دلوں پر تاباں ہوا ہے۔ اور اس کی وہ فطری تعلیمات علم انسانی پر جلوہ نکلن ہوئی ہیں۔ جو غور و فکر کو لازم کرتی ہیں کو رائے تقلید کو قبضہ شیراتی ہیں، اور عقول پر سے پرے اٹھا دیتی ہیں۔

اب تک ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ کئی صدیوں تک فکر بشری اور مغربی ملتوں کے درمیان کیسی سخت نزاع اور پیہم اکھیڑ بچھاڑ رہی ہے، تا آنکہ آخر کار عقل کے غالب آجانے اور حریت فکر کے فتح یاب ہو جانے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم نے "آثار پیدا ہو گئے ہیں" اس لئے کہا کہ اب بھی ہم کو یورپ کے بعض ممالک بلکہ امریکہ کی دنیائے جدید میں ایسے لوگوں کی کمی نظر نہیں آتی جو قدیم تقلید کی حمایت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے باپ دادا کے اعتقادات تھے ان پر حمسے ہنے پڑے ہوئے ہیں، اگرچہ وہ تقلید اور اعتقادات، یعنی مشہودات سے معارض اور منطقی جھڑپوں سے متناقص ہی کیوں نہیں کیا آپ بھول گئے کہ گذشتہ سال ہی امریکہ کی ایک جامعہ نے اپنے پروفیسر دل ہی سے ایک نامہ پروفیسر کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ جب اس نے ڈارون کے مذہب کی ترویج کی تو اس کے خلاف زبردست شور برپا ہو گیا اور وہ اس وقت تک فرو نہ ہوا جب تک کہ اس پروفیسر کو اس جامعہ کی کرسی

سے الگ کر دیا گیا۔

(خطبہ چہارم)

حضرات!

جہاں تک ممالک غریبہ کا تعلق ہے یہ مختصر بیان ان حالات کی تصویر کھینچنے کے لئے کافی ہے۔ جو گذشتہ کئی صدیوں کے دوران میں عقل بشری کو پیش آئے ہیں، اور ان آلام و مصائب کا اندازہ کرنے کے لئے یہ تھوڑا سا خلاصہ ہی کافی ہے جن کا مقابلہ عقل کو اپنی حریت اور اپنے استقلال کی خاطر ممالک مغربی میں کرنا پڑا ہے کیسے اب ہم ایک اچھٹی ہوئی نظر مشرق پر بھی ڈال کر دیکھیں کہ جس دلت ممالک یونانیہ میں حریت فکر کی پو پھٹ رہی تھی یعنی پانچویں صدی قبل مسیح کے اطراف، اس دلت بلاد مشرق میں عقل کا کیا حال تھا۔ جب مشرق ادنیٰ میں اکیونوفانیس (XENOPHANES) یونانیوں کے دیوتاؤں پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر کے اور ان کا مذاق اڑا کر لوگوں کو ان کی عبادت ترک کرنے کے لئے دعوت دیا تھا اور جس زمانہ میں ہرقلیتس اور دیموقریٹس عقل بشری کو تقلید جاہلی کی بندشوں سے نجات دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور ان کو ملوک ارض و سما پر غور کرنے کی تعلیم دے رہے تھے، ٹھیک اسی زمانہ میں ہیکو مشرق کے دوسرے کنے پر ایسی عقلی و نفسی حرکت کے آثار نظر آتے ہیں جس کا مقصد سوئی ہوئی ہمتوں کو بیدار کرنا اور جاہلی و گمراہ قہوں کو غور و فکر کی راہ دکھانا، اور ان کو اپنی اجتماعی زندگی کے مسائل کی بحث و تحقیق پر آمادہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں بودھ اپنی تعلیمات کے ساتھ نمودار ہوا ہے اور چین میں کنفیو شس اس تفاوت طبقات اور اس سیاسی و اجتماعی فوضویت کے خلاف جنگ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس میں اس کے زمانے کی چینی قوم اور ملک چین کے ارباب حکومت مبتلا تھے، اور اس جنگ دلی، اور درشت خوئی، جو رد و ظلم اور استبداد کی اصلاح کرنا نظر آتا ہے جو اس کے عہد میں امرا کی امتیازی صفات تھیں۔

یہاں بات قابلِ لحاظ ہے کہ اگرچہ مشرق کے یہ دونوں علاقے اپنے زمانہ نہایت میں متحد اور اس

نہضت کی کہنہ و طبیعت میں متشابہ ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ ہندوستان میں اس کی توجہ عام مادی احوال کے بجائے زیادہ تر نفس کو اخلاق فاسدہ کی نجاستوں سے پاک کرنے کی طرف مائل رہی ہے، اور چین میں کنفیوشس نے نہضت کا مقصد اولین پر رہا ہے کہ حیات سیاسی و اجتماعی اور مظاہر مادی کو منضبط کرنے کے لئے دستور مقرر کئے جائیں اور ان کو ایک نظم کے تحت لایا جائے۔

بزرگوار جس طرح شرقِ ادنیٰ اور بلادِ مغربہ میں مذہبی پیشوائی کے مدعیوں نے ان بدعت و مظالم اور ان نامدِ بندشوں اور عبادات کے ان غلط طریقوں کو رواج دیا جنہوں نے خدا کے بندوں کو تکلیف میں ڈالا اور اسرارِ بشری کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینکا، اور عقولِ انسانی کو فحاشی کی قید میں جکڑا، اسی طرح چین اور ہندوستان اور دوسرے ہمایہ ممالک میں بھی ان کم ہمہ پیشہ لوگوں نے یہی سب حرکات کیں۔ اور ان کی بدولت قرونِ وسطیٰ دنیا کی تاریخ میں بدترین قرون بن گئیں۔ آخر کار علیمِ حکیم کی حکمت اور رفیقِ رحیم کی رحمت اس کی معافی ہوئی کہ اپنے ظلمت و ضلالت میں بھٹکنے والے اور جہالت کی دادیوں میں حیران و سرگردان پھرنے والے بندوں پر نورِ معرفت کا اشراق فرمائیے تاکہ ان کی عقلوں کے بند کھل جائیں، اور ان کے نفوس کی منزلت بلند ہو جائے اس نے انہیں محض ناکام تجربوں کی رہنمائی پر نہ چھوڑ دیا بلکہ ان کو سرائی دلانے اور راہِ راست دکھانے کے لئے وحیِ نازل فرمائی تاکہ وہ ان مجاہدات اور مساعیات سے نفع حاصل کریں جس میں دوسری امتوں اور مذاہب کے لاکھوں طالبانِ حریت و عدل و مساوات فنا ہو چکے تھے۔ اس کی حکمت یہ چاہا اور اسی نے اس نے قرآن کو دینِ نظرت کے ساتھ بھیجا تاکہ قیدِ بند میں جکڑے ہوئے نفوس کو اس کے پاک احکام کے ذریعہ سے آزاد کرائے، اور گمراہ عقلوں کو جہالت کے مہلکوں سے نجات دلائے۔

اب میں جو کچھ عرض کرنے والا ہوں اس سے آپ حضرات کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ قرآن کریم نے کس طرح حریت کی راہ میں فکرِ بشری کی ہدایت فرمائی ہے اور وہ عقل کو کن بلند منزلوں تک اٹھائے

گیلہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی مناسب ہو گا کہ ہم اس فرست سے فائدہ اٹھا کر اس سوال کو بھی حل کر دیں جو بعض لوگوں کے دلیں میں کھٹکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب قرآن کا دین دراصل دین فطرت ہی ہے، اور جب حکم کی صحت کا معیار، قرآن کے نزدیک عقل اور منطق ہی ہے تو پھر دین کے بذریعہ وحی نازل فرمانے کا کیا فائدہ ہے؟ کیوں عقل بشری کو حق اور حقائق کی راہ میں مجاہدہ کرنے کے لئے تنہا نہ چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ خود ان کے کھنچنے اور غیر دشر اور نافع و مضار کی بحث و تنقیب کے خود ان کی کنہ کو سمجھ اور ان کے حدود کا ادراک کرے اور ان کے درمیان جو مابہ الفرق و امتیاز امور میں ان کو پہچانے؟

ایسے لوگوں سے ہم کہیں گے کہ بلاشبہ انسانی عقل کے لئے یہ ممکن ہے کہ بحث و تنقیب، تجربوں کے ذریعہ سے احکام اور تصورات اور نظم اجتماعی اور سائل علمی اور آداب خلقی کے ان مراتب تک پہنچ سکے جن کے لئے نفس انسانی ایک نظری شوق رکھتا ہے۔ لیکن اس راہ میں دو سخت گھاٹیاں ہیں جن کو عبور کئے بغیر اس اُمداد کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے ایک عادی ہے اور دوسری طبعی۔

پہلی گھاٹی یہ ہے کہ نفس بشری اپنی حقیقی مصلحت کی خاطر جن وجوہ صواب کی تجویز کرتا ہے ان تک پہنچنے کے لئے صدیوں کے تجارب اور تحقیقات درکار ہیں۔

دوسری گھاٹی ناموس نشو و ارتقا یعنی تدریجی ترقی کی گھاٹی ہے جس کی وجہ سے عالم معقولات و معنویات میں عقل بشری کسی آگے کے مرحلہ پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ اس سے پہلے کے مرحلہ کو قطع نہ کرے۔

اس کے علاوہ کچھ اور عوامل بھی ہیں جو تحقیق و بحث کی راہ میں عقل کی پیشقدمی کو روکتے ہیں، اور اکثر ایسی رکاوٹیں ڈالتے ہیں جن سے بچ کر بہت ہی کم عقلیں نکل سکتی ہیں۔ درجہ اکثر دیشتر تو ٹھوکر کھا کر گری پڑتی ہیں۔ ان عوامل میں سب سے زیادہ اہم عامل وہ نفسی انفعالات اور عصبی اضطرابات ہیں جن کے اثر ہماری اجتماعی اور عقلی اور ادبی زندگی کے شعبوں میں اتنے نمایاں ہیں کہ کوئی شخص ان سے ناواقف

نہیں ہے۔ یہ بڑا ہی سخت معاملہ ہو گا۔ اگر ہم اپنے افکار اور احکام اور میلانات میں کمال کو پہنچنے اور نقائص سے بڑی ہونے کا اعلان کریں۔ دریاں حالیکہ ہمارے اندر ایک نفسِ امارہ اور ہمارے پیلوں میں ایک متکون قلب موجود ہے اور ہم اکثر معاملات میں اپنی خواہشات کی اطاعت اور بواہر ہوس کی پیروی کیا کرتے ہیں۔

ان وجوہ سے اور اس لئے کہ لوگوں کو سب سے قریب کے اور سب سے زیادہ سیدھے اور سب سے زیادہ محفوظ راستے پر چلایا جائے، اخلاق کا کائنات اپنی مخلوقات میں سے پاکیزہ ترین مخلوق کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجتا ہے، کیونکہ اپنے بندوں پر اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لغزشِ قدم اور پریشانِ خوابی اور خواہشات کے فتنے سے ان کو بچائے اور ان کے سینکڑوں ہزاروں برس اُس علم اس حریت و مساوات، اُس عدل اور ان تمام فضائل و دلائل کی تلاش و جستجو میں ضائع نہ ہونے دے جس کے لئے ان کے نفوسِ فطرۃً آرزو مند ہیں۔

قرآن حکیم ہر چیز میں دینِ فطرت لے کر آیا ہے۔ اس کے قواعد و احکام اور اصولی آداب و شرائع پوری طرح فطرتِ بشری کے مقتضیات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی لائی ہوئی شریعت کے اہمات و اصول میں ایک یہ بھی ہے کہ جو امور و کوشاںات کی تاثیر سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور جن میں اختلافات و حالات کے ساتھ بے درجہ تغیرات واقع ہوتے ہیں ان میں ہر قوم کے عرف و کالماخیا جائیگا۔ اس وجہ سے زمان و مکان کے اختلافات اور مختلف اقوام کے مخصوص عرف کے لحاظ سے شریعت کے فرعی و جزئی مسائل میں اختلاف ہونا درجہ اولیٰ ہے اس طرح قرآن مجید مطالبِ عقل کے عین مطابق ہے اور انسانی فطرت سے نا آشنا نہیں ہے اور حیاتِ اجتماعی کے فصول میں سے کسی شعبہ میں طبیعتِ بشری کے سلطان و آثار سے تجاوز نہیں کرتا۔

پھر قرآن اس سے خوب واقف ہے کہ ان اپنے احساس و شعور کی ابتدائی حالت ہی سے ان واقعات و حالات کی علتیں معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے جن کا ادراک اسے اپنے حواس کے واسطے سے ہوتا ہے۔ اور یہ تلاش و جستجو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اس لئے وہ اس کی اس فطرت کو اور

زیادہ ابھارتا اور اسے بحث و تحقیق کے نئے گوشے دکھاتا ہے۔ اور بار بار ان جامہ اور ٹیس کو گدل کو تنبیہ کرتا رہتا ہے جو تعلید کے تنگ دائرہ میں اس قدر مقید ہو گئے ہیں کہ ان سے نکل کر وسعت نظر کے ساتھ کائنات اور اس کی خلقت پر نگاہ نہیں ڈال سکتے اس باب میں قرآن مجید نے تدبیر و تفکر کی دعوت چھپنے کا موقع ہاتھ سے نہیں دیا ہے۔ اور کوئی محبت اور کوئی برہان ایسی نہیں چھوڑی ہے جو اس نے حریفان حق پر قائم نہ کی ہو۔

اور مجتہد قرآن نے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اور اس کے ساتھ ان احکام و شرائع اور احادیث و فضائل کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو انبیاء نے پہنچائے ہیں، تو یہ ہرگز عقل کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ عقل جس طرح فطرۃً اس چیز کی حاجت کا شعور رکھتی ہے کہ دنیا و فناء افراد اور جماعتوں کے علم و تعلیم کو افراد اور جماعتوں ہی کے ذریعہ سے رفع کیا جاتا ہے (وَلَوْلَا دُنْعُمُ اللّٰهِ النَّاسُ بَعْضُهُمْ يَبْعُضُ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَرِجَالُ مَا فِيهِنَّ) اسی طرح اس کی فطرۃً ہی اسے اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ وہ ہر چیز قبول یا دفع کرے جس میں اس کو نظام حیات اجتماعیہ کی بہتری نظر آئے۔ اور چونکہ انسانی عقل، تشریحی ادبی اور علمی شعبوں کے معالجہ میں انسانی لغزش اور غفلت و سائل کے خطرات سے دوچار ہے۔ اس کی تفصیل ایک دوسرے موقع پر بیان ہو چکی ہے) اس لئے وہ طبعاً اس طرف مائل ہے کہ کسی پر بھروسہ اور اعتماد کر کے اطمینان و سکون حاصل کرے، اور کسی ایسی بات کو قبول کرے جس کے بعد اس کو محنت و تنقیب کی مشقت نہ اٹھانی پڑے، اور کسی ایسے ماہر کا مل کو اپنا رہنما بنائے جو اس کو ظنون اور تجربات کی راہ میں پیش آنے والے خطرات و ہمالک سے بچائے جائے۔ پھر اس اعتماد و قبول کے لئے اس ہستی کی نازل کی ہوئی دلی سے زیادہ مستحق اور کیا چیز ہوگی جو انسان کی فطرت و طبیعت کے تمام اسرار پر محیطا و مان سب امور کا عالم ہے۔ جن میں اس کی صلاح شان و سعادت مضمر ہے؟ مزید برآں انسان فطرۃً اپنے مطلوبات تک پہنچنے کے لئے سب سے قریب راستہ چاہتا ہے۔ اور یہی خواہش اس کو کسی ایسے رہنما کی تلاش پر آمادہ کرتی ہے جس پر وہ اعتماد

کر سکے، اور جس کی ہدایات پر وہ اطمینان و سکون نفس کے ساتھ چل سکے۔ پس نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی جس کثرت کے ساتھ بعض افراد انی پر اعتقاد رکھنے کی طرف مائل ہو تے ہیں اور انبیاء و رسل اور ان کے پیرو و داعیوں پر ایمان لاتے ہیں، اس کا اصلی راز یہی ہے کہ وہ ان کی رہنمائی سے براسانی و منازل کی تک پہنچنے اور ان کی ہدایت کے سعادت و سلامتی کی زندگی بسر کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ انسان طبعاً اس ایمان و اعتقاد کی طرف مائل ہے، اس لئے کہ وہ فضائل کی معرفت میں درجہ بدرجہ ترقی کرنے سے گھبراہٹ ہے۔ اس نے دیکھا کہ اس قسم کی تدریجی طلب کرنے والا بسا اوقات صواب کی منزل تک نہیں پہنچتا، اور اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ سلامتی کے ساتھ اس راہ سے گزر جائے گا۔ وہ متفرق اعمال اور تصرفات اور احکام کے برے عواقب میں پڑنے سے فطرتاً ہی چاہتا ہے، اس لئے اس کی فطرت ہی اس کو ان نجات کی خوشخبری سننے والے اور ان عذاب سے ڈرنے والے داعیوں کی دعوت قبول کرنے کی طرف مائل کرتی ہے، اور اسے امید دلاتی ہے کہ اس کا مطلوب گم کردہ جس کو اگر وہ خود اپنی کوشش سے طلب کرے تو شاید نہ پاسکے، غالباً اس طریقہ سے مل جائے گا۔ جس کی طرف وہ لوگ دعوت دے رہے ہیں۔

پس انسان کی فطرت سلیمہ اور اس کی آزاد عقل ہی اسے ایک ایسے ہادی اور رہنما پر اعتقاد رکھنے اور مطمئن ہو جانے کے لئے آمادہ کرتی ہے جو اسے خطا، اور لغزش اور گمراہی سے بچا کر سلامتی کی راہ پر لی جائے۔ اور اسے خوف دلاتی ہے کہ اگر اس نے خود اپنے دلائل اور خود اپنی قوتوں پر اعتماد کیا تو غلبہ ہے کہ کہیں ناواقفیت، اور فکر کی غلطی اور قدم سہی کی لغزش کی بدولت وہ ان بہت سے اعلیٰ مطالب اور پاکیزہ و نفاذ تک نہ پہنچ سکے گا۔ جن تک پہنچنے کی خواہش اس کے نفس میں پنہاں ہے۔ اسی فطرت کا تقاضا کہ اسے تمام کئے جاتے ہیں، تہذیب نفس و تہذیب عمل پھیلانے والی جمعیں بنائی جاتی ہیں، اور مذہبی پیشواؤں اور صوفیوں کی طرف ہرنانے میں ہر طبقے اور ہر عمر کے لوگ رجوع کرتے ہیں۔

پس یہ بیان ہو چکا ہے کہ عقل کو حرکت میں لانے اور فکر کو آزاد کرنے کا کوئی وسیلہ ایسا نہیں ہے

جس کو قرآن مجید نے اختیار نہ کیا ہو وہ جب کسی پر فیصلہ چھوڑتا ہے تو وہ عقل ہی ہوتی ہے، اور جب کوئی حجت قائم کرتا ہے تو حکم عقلی ہی کی بنا پر کرتا ہے اور جب کسی پر اظہار غصہ کرتا ہے تو عقل کو معطل کر دیتے ہیں ہی پر کرتا ہے۔ اور جب کسی سے اظہار خوشنودی کرتا ہے تو وہ ارباب عقل و درہدی ہوتے ہیں۔ قرآن چہ کہیں دوسری ملتوں اور مذاہب کے پیروں اور ادین و دہریوں سے مجادلہ کیا ہے، وہاں وہ برہان سے ان پر مزب لگاتا ہے۔ اور بحث و نظر ہی کی طرف انہیں دعوت دیتا ہے، وہ کہتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَهُمْ كَذِبُونَ ۚ

ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں قرآن نے ان گناہیوں کو اس بنا پر زبرد توہین کی ہے کہ انہوں نے اپنی عقلوں کو بیکار کر دیا ہے۔ یا باپ و داد کی تقلید میں اتنا مقید کر دیا ہے کہ اگر باپ یا بیوی کے بہتر کوئی طریقہ پیش کیا جائے تو وہ اس کو محض اس بنا پر رد کر دیں کہ ان کے باپ و داد کے طریقے کے خلاف ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔

وَاذْكُرْ لَكُمْ وَلَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ L
وَاذْكُرْ لَكُمْ وَلَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ L
وَاذْكُرْ لَكُمْ وَلَكُمْ L
وَاذْكُرْ لَكُمْ L
وَاذْكُرْ L
وَاذْكُرْ L
وَاذْكُرْ L
وَاذْكُرْ L
وَاذْكُرْ L
وَاذْكُرْ L

اگرچہ ان کے باپ و داد کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ راہ راست پر ہے ہوں۔

اور جن آیات میں اپنی عقلوں سے کام نہ لینے والوں اور اندھے مقلدوں کی مخالفت کی گئی ہے

ان میں سے بعض یہ ہیں:-

وَلَا تَقُفْ مَا يَبْسُ لَكَ بِهِ عِلْمٌ، إِنَّ
الْسَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ
كَانَ عِنْدَ مُسَوِّدٍ (۴:۱۸)

اور جس بات کا تجھ کو علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہو لیا کر
یعنی رکھ کہ کان آنکھ اور دل سب سے قیامت کے
دن پوچھ گچھ ہو گی۔

اور:-

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصَّمْءُ
الْبُكْمُ الَّذِي يَنْفَعِلُونَ لَا يَقُولُونَ (۲۱:۸)

اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ہرے گڑھے ہیں
جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

اور:-

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ الْيَأْسَ أَنَا نْتَ
تَهْدِي الْعُصَىٰ ذَلُّكَ أَعْمَىٰ
يُبْصِرُونَ (۵:۱۰)

اور ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو تیری طرف نظر لگا بیٹھے
میں تو کیا تو اندہ ہوں کہ راستہ دکھائے گا چاہے اُن
کو کچھ نہ سمجھائی دیتا ہو۔

پھر تم دیکھو گے کہ جہاں کہیں جو ایمان حق سے محاذ لڑ کر گیا ہے وہاں ہر ایت کے ختم پر اس طرح کے
نعرے استعمال کئے گئے ہیں مِلَّا أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ) بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو علم نہیں رکھتے۔
(مَلَا مَا تَدَّ كُرْدُونَ) (وہ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں)۔ رَحَا تَوَابُرُهُمْ إِنَّ كُنْتُمْ صُلْدَتَيْنِ
(اپنی برہان پیش کرو اگر تم سچے ہو)۔ اُنِّي يُوْثِقُونَ۔ (وہ کہہ رہے ہیں) کو تَشْعُرُونَ) دکاش
تم شعور رکھتے)۔ اَفَلَا يَسْمَعُونَ (کیا وہ سنتے ہی نہیں)۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولَٰئِكَ لَئِيَّا سَبَقَ
صرت اہل عقل و خدای حاصل کرتے ہیں)۔

قرآن کہ یہ نے جہاں کہیں اپنے پیش کردہ دین کے اقتضا کے مطابق کوئی بات ہمیشہ کی ہے وہاں
اس کو خوب اچھی طرح سمجھایا ہے۔ اور جب ارکانِ دین میں سے کسی رکن اور عقائد میں سے

کسی عقیدہ کی طرف دعوت دی ہے تو اس میں ایسی باتوں سے پرہیز کیا ہے جن کا انسانی عقل اعلا نہیں کر سکتی اور جن کے ادراک سے بشری نہم عاجز ہے۔ اور جب اصول دین میں سے کسی اصل کی تلقین کی ہے تو مقدمات تطری سے ابتداء کی ہے اور پھر کفر و عناد کی بنا پر اس سے انکار کرنے کے انجام سے ڈرایا ہے مثلاً ایک جگہ کہا ہے:-

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَا
مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (۵:۸۰)
اور جو زندہ ہے وہ محبت تمام ہونے کے بعد زندہ ہے
اور ایک دوسری جگہ فرمایا:-

يَتَذَكَّرُ لَوْلَا أَلَّا تَكُونُ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ (۲۳:۴)
تاکہ لوگوں کے لئے خدا پر کوئی محبت بانی نہ ہے
قرآن کا مازل فرمانے والا جلیل الحکمت خدا، جو انسان کا خالق اور دلول اور کانون اور انکصول کا مالک ہے، اپنی آیات میں اپنے آپ کو کامل مطلق کی مثال ہونے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، جس کا اظہار اس کے اسماء حسنی سے ہوتا ہے، مثلاً عدل اور حق اور خیر وغیرہ۔ اس بنا پر اس نے اپنے رسول کو جبار اور کووال بنا کر نہیں بھیجا بلکہ خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

ذَكَرُوا لَكُمْ أَلَّا تَكُونُوا عَلَى اللَّهِ حُجَّةً (۲۳:۴)
تو ان پر داروغہ نہیں ہے۔

فَقُلْ عَلَى الرَّسُولِ الْأَمْرُ إِلَّا مَبِئْتَيْنِ (۵:۶۷)
تو کیا پیغمبروں پر اس سے زیادہ بھی کوئی ذمہ داری ہے کہ صاف صاف احکام الہی پہنچا دیں۔

أَفَأَنْتُمْ تُكْرِهُونَ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا
مُؤْمِنِينَ (۱۰:۱۰۱)
کیا تو لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ مومن بن جائیں؟

وَمَا تُؤْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مَبِئْتَيْنِ (۱۰:۱۰۱)
اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ نیکوں

مُنْذِرِينَ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كُنُجَاتٍ كَامِرَةً سَائِمِينَ اور بد دل کو عذاب سے
بِالْبَاطِلِ يُبْذِرُ جُحُشًا بِهِمُ ذُرَائِي وَهَ بِالطَّلِ كَبَلٍ پھجکا کرتے ہیں تاکہ اس
الحَقِّ (۱۸: ۱۸) سے حق کو متزلزل کر دیں۔

وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ اور تو ان پر حاکم جابر نہیں ہے۔ تو تو اس شخص کو
مَنْ يُخَافُ وَعَبِيدَ (۵۰: ۳) قرآن کے ذریعے سمجھائے جو میرے مذہب کا دشمن ہے۔

پہلی چیز جس کے لئے قرآن نے عقل کو حکم بنایا ہے وہ خدا کے وجود پر ایمان ہے نہ صرف قرآن
بلکہ اس کے سوا عالم اکلام و اصول دین بھی سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس عقیدہ کی طلب طریق
نظر و استدلال سے ہونی چاہئے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے تو اللہ پر تقلیدی ایمان لانے کو قبول ہی
نہیں کیا ہے۔ اور اگر امام غزالی وغیرہ نے ایمان تقلیدی کو قبول بھی کیا ہے تو وہ عوام کے لئے ایک
رعایت ہے کہ وہ بحث و نظری کی استطاعت نہیں رکھتے، اور اس کے وسائل سے ناواقف ہیں، ایمان کے
قائے اور اکیسے قوی نہیں ہیں کہ بحث و نظری کی شرائط پوری کر سکیں۔ اس بنا پر ان سے ایمان ثابت قبول کر
لیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس کی کوئی رسد آپ کو ایسی نہیں ملے گی جس میں اس نے
انسان کو بحث و نظر اور عقل و فکر کی دعوت نہ دی ہو۔ اس جگہ ان سب آیات کا استیعاب ممکن نہیں ہے
صرف چند آیات پیش کی جاتی ہیں:-

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِوَابِیْ وَكَثَبًا وَأَرْضًا مِّنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا اور اس میں پہاڑ اور
جَعَلَ فِيهَا زُجُجًا مِّنْ ثَمَرَاتٍ اُنْثِیْنَ یُعْثِیْ الْاَلِیْلِ دریا بنائے اور ہر طرح کے پھولوں کی دودھ و میس پیدا
الْكَهَرِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَا یَاِیْبَ رَاقُوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ کیں اور وہی رات کو دن پر ڈھانک کر تیار ہے۔ یقیناً اس
وَفِی الْاَرْضِ قَطْعٌ مَّتَبَعًا وَرِثَاتٌ وَجَنَاتٌ میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں
اور زمین میں ایک دوسرے سے متصل قطعہ جات ہیں۔

مِنْ أَهْتَابٍ وَزُرُوعٍ وَنَخِيلٍ مُّتَوَاتِنٍ
وَعِبْقَرٍ مُّتَوَاتِنٍ يَنْسُقِي بِنَاءً وَآحِدٍ
وَلِنَفْعِلٍ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي
الْأُكُلِ هَٰذَا فِي ذَٰلِكَ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
لَّيَعْقِلُونَ (۱۱:۱۲)

جن میں انگور کے باغ اور کھجور کے درخت و شاخے
اور اکھڑے، سب ہی کچھ ہوتے ہیں حالانکہ سب کو ایک ہی
پانی سے سیراب کیا جاتا ہے پھر بھی ہم بعض کو بعض پر پھیلوں
پر برتری دیتے ہیں رقیقاً باب عقل کے لئے اس میں
بہت سی نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِخْتِلَافٍ
الَّذِي وَاللَّهِ ذَٰلِكَ لَآيَةٌ مُّحَرَّرَةٌ
فِي الْبَحْرِ يَمَّا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَآخِيَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ
كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسْفِرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲:۲۱)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے
اختلاف اور ان نشانیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں
لئے ہوئے سمندر میں چلتی ہیں، اور اس پانی میں جسے
اللہ آسمان سے نازل کرتا اور اس کے ذریعے زمین کو
جو مردہ ہو چکی تھی، پھر سے زندہ کر دیتا ہے اور پھر اس
میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیتا ہے، اور ہواؤں کی گردش،
اور زمین و آسمان کے درمیان گھسے ہوئے بادلوں
میں، اور آب و ہوا کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاٰبِلِ كَيْفَ خَلَقَتْ
وَالِى السَّمَاءِ كَيْفَ نَصَبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ
كَيْفَ سَطَحَتْ (۸:۸)

کیا لوگ دن کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنایا گیا ہے اور آسمان کو نہیں
دیکھتے کہ کیسے بلند کیا گیا۔ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے
نصب کئے گئے ہیں اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔

وَرَنِى اَنْفُسِهِمْ اَفَلَا يَتَّبِعُوْنَ (۱۱:۵۵)

اور خود بہتے اندر کی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ
ہم ان کو تمام اطراف عالم میں اور خود ان کے اپنے
اندرونی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے

الْحَقُّ (۶: ۴۱)

کہ قرآن برحق ہے۔

اَذْكُرْ يَنْظُرُؤُافِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ
 کیا انہوں نے آسمان و زمین کے انتظام اور خدا
 ذَا الْاَدْنٰی وَاَخْلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ (۲۳: ۱)

کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی۔

معزز حاضرین! یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس باب میں جتنی آیات قرآن کریم میں آئی ہیں ان
 سب کا استقصاء کیا جائے۔ اس لئے ہم صرف انہی اقتباسات پر اکتفا کر کے ایک دوسرے مسئلہ کی
 طرف توجہ کرتے ہیں۔ جس میں اکثر بحث کرنے والوں نے چکر کھائے ہیں۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایسے
 شخص کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ جس نے بحث و نظر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اس کے باوجود
 وہ دین میں عقیدہ حق تک نہ پہنچ سکا اس مسئلہ میں علماء نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اظہارِ رائے
 کیا ہے مگر یہاں ان کی بحثوں سے تعرض کر دوں گا اور خود قرآن مجید سے استفتا کر دوں گا کہ ایسے
 شخص کے متعلق وہ کیا کہتا ہے

قبل اس کے کہ اس بارے میں قرآن مجید سے استفتا کیا جائے، میں چاہتا ہوں کہ آچے مسلمات
 ذہن نشین کر لیں:-

ایک یہ کہ جب کسی حکم پر دلیل صحیح قائم ہو جائے تو عقل بشری اس میں شک کرنے پر قادر نہیں ہے۔
 دوسرے یہ کہ عقل بشری میں یہ قدرت نہیں ہے کہ دو متناقض امور کے مابین صحیح ہونے کو جان لے سکے۔
 تیسرے یہ کہ جب دو حکم متعارض ہوں اور ان میں سے ایک حکم کی تائید میں قاطع جہتیں موجود ہوں تو
 عقل کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو قبول کرے۔

دینِ نظرت نے ان تینوں قضایا کو ملاحظہ کیا ہے اور اس کی آسانی کتاب نے ان کی تصدیق کی ہے
 پھر اس کے بعد علمائے اس کی تائید کی ہے اور باوجود فرعی مسائل میں مختلف ہونے کے ان سب
 نے اس قاعدہ کلیہ کو تسلیم کیا ہے کہ شریعات میں سے جو چیز بھی بظاہر فلاح عقل معلوم ہو اس کی تائید

اس طرح کی جائے کہ وہ حکم عقل کے مطابق ہو جائے۔ کیا یہ ممکنات عقیدہ کے حدود پر ٹھیراؤ اور فطرت بشریت کے حکم پر زہل نہیں ہے؟ اور کیا اس قاعدہ کے باوجود عقائد میں جبر اور زبردستی ہو سکتی ہے؟ اور کیا دین فطرت جو دین بحث و نظر ہے ان لوگوں کو کسی عقیدہ پر مجبور کر سکتا ہے جن کی عقلیں اس عقیدہ کے ادراک سے قاصر ہوں، یا جن پر شکوک و شبہات کا اتنا اجماع ہو کہ وہ ان کو دور کرنے اور انہیں روکنے سے عاجز رہ گئے ہوں؟ اور کیا وہ دین جبر اور زبردستی کا قائل ہو سکتا ہے جس نے غیر معقولات پر ایمان لانے کی سخت مخالفت کی ہے، اور جس نے ایسے ایمان کے مقابلے میں اُس یقینی عقیدہ ایمان کی بنیاد میں قائم کی ہیں جو طریق عقل و نظر سے حاصل ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے بالاتر ہے کہ وہ لوگوں کو اس چیز کی تکلیف دے جس کی ان میں طاقت نہ ہو، یا ایسی چیزوں پر ایمان لانا ان پر لازم کرے جس کی طرف محبت اور برہان ان کی ہدایت نہ کرتی ہو۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کرنے سے اچھی طرح سمجھیں آ سکتی ہے کہ۔

لَا يَكُذِبُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ
الرُّسُلِ (۲۳: ۴۷)

تاکہ پیغمبروں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی محبت باقی نہ ہے۔

اب ہم قرآن کریم کی ان آیات میں سے بعض کو پیش کرتے ہیں جو اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں۔

قَالَ يَقُولُوا إِنَّا نَعْتَمِدُ عَلَىٰ بَيْتَةٍ
مِّن رَّبِّي وَآثَارِي رَحْمَةٍ مِّنْ عِندِ
فَعَمِيَتْ عَلَيْكُمُ آيَاتُكُمْ مَّا وَآثَارُكُمْ
لَهَا كَاذِبُونَ (۱۱: ۲۰)

نوح نے کہا کہ اے میری قوم کیا تم نے غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلے رستے پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھ کو رحمت عطا فرمائی ہے پھر وہ رستہ تم کو دکھائی نہیں دیتا، تو کیا تمہیں زبردستی

اس پر چلاؤ گے دراصل ایک تم اس کو ناپسند کرتے ہو؟

نَحْنُ لَعْنَةُ بَنِي آدَمَ الَّذِيْنَ رَمَوْا اَنْتَ عَلَيْهِمُ
بِحَبَابٍ ۚ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ مَتَعَٰتٌ
وَعِيْدٍ (۳: ۵۰)

ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ تم ان پر کوئی
حاکم مابر تو ہر نہیں۔ جو کوئی میری وعید سے ڈسے
اس کو میں تم قرآن کے ذریعہ سے سمجھا دو۔

قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُؤْتُونَ اِنَّا
اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّاَذْنٰبًا
لَّا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ (۱۲: ۱۲)

ہم نے ان لوگوں کے لئے اپنی آیات واضح کر دی ہیں
جو یقین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہم نے تم کو یقین
ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔
اور تم سے دوزخیوں کی باز پرس نہ ہوگی۔

اِنَّ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (۱۵: ۲۲)

تم پر خدا کا پیغام پہنچانے کے سوا اور کچھ ذمہ داری نہیں
تم کو بس عذاب خدا سے ڈرانے والے ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن جو دین فطرت کی کتاب ہے ہرگز ایسی کوئی بات پیش نہیں کرتا جو درست
اور صحیح اور اس کے منافی ہو یا جس کی حکمت عقول سلیم سے پوشیدہ ہو۔ اور وہ ہرگز انسان کی عقل کو ایسی باتوں
پر ایمان لانے کی تکلیف نہیں دیتا جو غیر معقول ہوں۔ اور وہ ہرگز انسان کے جسم کو اس بارے کے برداشت
کرنے پر مجبور نہیں کرتا جس کو اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو۔ اور وہ ہرگز انسان پر ایسا کوئی فرض
عائد نہیں کرتا جو اس کی فطرت کی وسعت میں نہ سماتا ہو۔ اس کا اصلی کام تو یہی ہے کہ وہ نوع بشری کو
ہدایت کا قریب ترین راستہ دکھائے۔ اور خدا کے بندوں کو ہدایت کے ان گڑھوں سے بچا کر لکل
لے جائے جو طریق دہی کے بجائے طریق تجربہ سے حق اور حقیقت کی تلاش کرنے والوں کی راہ میں پیش
آتے ہیں اور ان شیطانی انسان ظالم حکام، ان گمراہ کرنے والے مذہبی بیخودوں سے محفوظ رکھے
جو حق کے راستہ میں رہزنی کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس باب میں جتنے شواہد و دلائل آپ
جائیں وہ آپ کو مل سکتے ہیں دیکھئے کہ طلاق اور تحریم شراب اور تحریم قمار کے معاملہ میں مغربی

قوموں کی عزیمت کیسے تلخ تجربوں اور کتنی مدتوں کے بعد درست ہوئی ہے؟ اور کیسے شدید مقابلوں اور کتنی طویل صدیوں کے بعد ان میں عقل کو آزادی نصیب ہوئی، اور حریت نکر اور حریت اظہار رائے کو باج تسلیم کیا گیا، اور انسان کے ابتدائی نظری حقوق تسلیم کئے گئے؟ دینی اور سیاسی شورشوں کی تاریخ سے پوچھو، وہ تمہیں بتائے گی کہ کتنے خون اس سلسلے میں بہائے گئے اور کتنی جانیں اس راہ میں ہلاک کی گئیں؟ اس سے دریافت کرو وہ تمہیں ان جنگاموں کے مصائب و آلام کی ہولناک داستان نئے گی اور ان کافیتوں کا حال بیان کرے گی جن سے قوموں کو دیوار ہونا پڑا ہے۔

اس کے بعد مجھ کو مسئلہ ارتداد سے بحث کرنی ہے جو بہت بسط و تفصیل چاہتی ہے۔ اس لئے تنگی وقت کی بنا پر اس کو دوسرے اجتماع کے لئے اٹھا رکھا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں دو اہم مسائل پر اور بھی کلام کر دوں گا۔

۱۔ دین فطرت کی کتاب ہونے کے اعتبار سے معجزات اور خوارق کے باب میں قرآن کریم کا موقف۔
۲۔ ناموس نشو و ارتقا اور اس کے قوانین کی تنقیح ان دلائل کے مقابلے میں جو قرآن نے قائم کئے ہیں اور جو خدا خلق پر استدلال کرتے ہوئے جن میں نظر کرنے کی طرف اس نے دعوت دی ہے۔

پھر میں تکلیف عینی اور حریت ضمیر انفرادی کے متعلق قرآن کا مسلک مختصر طور پر بیان کر کے ختم کر دوں گا۔

۱۵۔ بلکہ حقیقتہً اب بھی درست نہیں ہوئی۔ مترجم۔

۱۶۔ یہ خواب بھی ابھی تک محروم تعبیر سے خطیب مرحوم کی وفات کے بعد یورپ میں جو انقلابات پیش کئے ہیں وہ پھر اس پچھے دوسرا ستبداد و قہر کی جانب رجعت کا اظہار کر رہے ہیں۔ مترجم۔

بازارِ ساحری

کرشمہ کن و بازارِ ساحری لشکن

(از جناب مولانا عبداللہ العادری)

(۱)

ہر چند قرآن پاک نے پیشینگوئیوں سے بہت کم بحث کی ہے اور واقعات کی تاریخ بیان کرنے میں تو حصہ لیا ہی نہیں تاہم جہاں کہیں دیکھا کہ عوام میں کوئی ایسی بات شہور ہے کہ اصل ایمان پر اس سے بڑا اثر پڑنے کا احتمال ہے وہاں فوراً واقعہ کی اصلیت بیان کر کے مناسب الفاظ میں شبہات کی تکذیب کی۔ گو اس زمانے کے ہوا پرستوں کو اس کے ماننے میں تامل ہوا لیکن بعد کی دسیاں توں نے ثابت کر دیا کہ ہذا الْقُرْآنُ لِقَصَصٍ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَٰئِیْلَ أَكْثَرُ الَّذِیْنَ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ وَ اِنَّهُ لَكَلِّدٌ یُّدْرِكُ الْخَبْرَةَ لِّیْلَمُ الْمُجْتَهِدِیْنَ۔

یہودیوں میں شہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شیطانوں کی پیروی کر کے کافر ہو گئے تھے ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں جن پر خدا نے جادو اتارا ہے اور وہ لوگوں کو جادو کر کے ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

اس افواہ سے اول تو حضرت سلیمان کی رسالت میں شک پڑتا تھا اور دوسرے بڑا شبہ یہ ہوتا تھا کہ جادو جب ایسی بُری چیز ہے کہ اس کے اثر سے لوگ تباہ ہو جاتے ہیں تو خدا نے اس کو فرشتوں پر کیوں اتارا؟ تباہ ہلاک کرنے کی قدرت تو صرف خدا میں ہے پھر دوا و شخص اس میں کیوں شریک ہو گئے؟

کلام اللہ نے اس شبہ کو دو لفظوں میں صاف کر دیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا بلکہ

شیاطین کفر کرتے تھے۔ اور ہاروت و ماروت ہر مادہ خدا کی طرف سے اُتر آئے تھے اور نہ وہ اُس کے ذریعہ سے کسی کو ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ اس سے انہیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے ۱۱

ظاہر ہے کہ اس بیان کے بعد شیعہ کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن ہوا پر سنوں کو اس وقت تک یقین نہ آیا جب تک سیدہ سورگن کو اتنا رباہل میں وہ کتاب لے نہ لے جن میں ہاروت و ماروت اور ان کی مشق و تہرہ کی سیاہ کاریوں کی پوری داستان درج ہے۔ ان کتابوں سے جو بختہ اینٹ کی سلوں پر ہیں۔ قرآن مجید کے بیان کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں بظاہر تو ایسے فرشتہ عفت تھے کہ لوگ ان کو پادشاہ فرشتہ اور دیوتا سمجھتے تھے لیکن دراصل پھنسانے کے لئے انہیں بڑے بڑے ہتھکنڈے یاد تھے۔

کلام اللہ نے آج سے بہت پہلے اس غلط فہمی کو رفع کیا ہے اور مفسرین نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ امام رازی کہتے ہیں:-

قوله الحسن "الملکین" بکسر اللام موهو حن بصری نے ملکین کے لام کو زیر سے پڑھا ہے اور مروی ایضاً عن ابن عباس ثم اختلفوا یہی ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ اختلاف پھر اس کے فقال الحسن كانا عليين اقلعين ببابل بعدہ ہے چنانچہ حن کا قول ہے کہ ہاروت و ماروت يعلمان الناس السحر وقيل كان رجلين بيدین وناضنہ بریدہ تھے اور بابل میں لوگوں کو جادو صالحین من الملوك سکھاتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ دونوں صالح بادشاہوں سے تھے۔

ان بزرگوں نے جن میں حضرت ابن عباسؓ اور حن بصریؓ ایسے صحابی دتلمی شامل ہیں تصریح کر دی کہ ہاروت و ماروت فرشتہ نہیں تھے آدمی تھے اور یہی مشہور مفسر متحاک کا بھی قول ہے

فتح البیان میں ہے۔

قال الضحاك همارای هاروت و ماروت د منحاك كا قول ہے کہ ہاروت و ماروت بابل کے دو ماروت (علجان من اهل بابل) لے بیدین آدمی تھے۔

بیضادی نے لکھا ہے کہ ہاروت و ماروت کا قصہ یہودیوں سے ماخوذ ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتہ تھے بلکہ فرشتہ صفت ہونے کی وجہ سے ان کا یہی لقب پڑ گیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

وَمَارُودِي أَنَّهُمَا مَثَلَا بَشَرِينَ وَرُكَّابَ يَهُودِيٍّ عَنْ الْيَهُودِ... فَنُحِيَ عَنْ الْيَهُودِ... بَنَاءُ كُنْ وَأُورَانِ فِي شَهْوَةٍ دِي كُنْ... تَوَقِيلَ رَجُلَانِ سَمِيًّا مَلَكَيْنِ بِأَعْتَبَارِ يَهُودِيٍّ سَمِيٍّ مَرُودِيٍّ... اِيك رَوَايَتِيْنِ صَلَاحُهُمَا وَيُوَيِّدُهَا تَوَاعُذُ الْمَلَكَيْنِ بِالْكَسْرِ وَتَقِيلُ مَا أُنْزِلُ، نَفْيُ مَعْطُوفٍ عَلَى أَنَّهُمَا فَرَسَتَا كَيْتَا تَقِيْلَ وَأَنَّ الْمَلَكَيْنِ بِالْكَسْرِ كَرَرَتَا تَوَقِيلَ مَا كُنْزُوكُنْزِيْبَ لِلْيَهُودِيْنَ هَذِهِ الْقِصَّةُ اِي كِي تَايِيْدُ كَرْتِي هِي۔ اور اِيك رَوَايَتِي هِي كِي مَا أُنْزِلُ، نَفْيُ هِي وَأَنَّ الْكَفْرَ بِرُغْطَفٍ هِي اور اس قِصَّة مي يَهُودِيُوں كِي مَكْنُوبِي هِي۔

صاحب تفسیر مظہری یہ لکھ کر کہ "ما انزل علی الملکین" میں "ما" نفی کے لئے ہے یعنی سحر خد کی جانب سے نہیں اترتا تھا۔ قصہ ہاروت و ماروت کے متعلق فرماتے ہیں:-

وهذه القصة من اخبار الاحاديث من روى الخبر عا د بلكه ضعيف وثا و رطيت سے منقول الروايات الضعيفة الشاذة ولا ہے اور قرآن مي اس پر كُوفِي دليِل نہيں... اِي تَمِّم دِلَالَةُ عَلَيْهِمَا فِي الْقُرْآنِ بَشَيٍّ... وَان كِي كُوفِي حَدِيثِ يَحْيَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِي دَلُو

لے فتح البیان جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۲ لے بیضادی شریعت صفحہ ۱۰۷

لے خبر واحدہ حدیث جس کا راوی اول مرتبہ ایک شخص ہوا ایسی خبریں یقین کے لئے مفید نہیں ہوتیں۔

هذه الاحبار لم يرونها شئ صحيح ولا صحيح مروي ہے - اور نہ غلط -

سقيم عن النبي صلى الله عليه وسلم

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "علین" سے مراد جبریل و میکائیل ہیں "اور ہاروت و ماروت" شیاطین "سے بدل ہے۔

ان کے خاص الفاظ یہ ہیں -

اَسْتَعْرِضُ مَا تَنْتَوِيهِ الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرْتُ لِمَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ بَابِلَ مَا رُوتَ مَا رُوتَ - فَيَكُونُ مَعْنَاهَا الْمَلَائِكَةُ جِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ اِنْ سَحَرَهُ الْيَهُودُ فَيَمَّا ذَكَرَ كَافَرَاتِ تَزْعُمُ اِنَّ اللَّهَ اَنْزَلَ السَّحْرَ عَلَى لِسَانِ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ اِلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَاَكْذَبَهُمُ اللَّهُ بِذَلِكَ وَخَبَرَ نَبِيَّهٖ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ لَمْ يَنْزِلَا بِسَحْرِ بَرِّ اِسْلِمَانَ مِمَّا خَلَوْا مِنَ السَّحْرِ وَخَبَرَهُمُ اَنَّ السَّحْرَ مِنْ عَمَلِ الشَّيَاطِينِ وَانْهَآ تَعْلَمُ النَّاسُ ذَلِكَ بِبَابِلَ وَانَّ الَّذِي يَنْتَوِيهِ يَعْلَمُونَهُمْ ذَلِكَ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا هَارُوتُ وَالْآخَرُ هَارُوتُ فَيَكُونُ هَارُوتُ وَهَارُوتُ عَلَى هَذِهِ التَّأْوِيلِ تَرْجُمَةً عَنِ النَّاسِ وَرَدَّ عَلَيْهِمْ -

یعنی یہ دو بول کاٹمان تھا کہ خدا نے جبریل و میکائیل کے ذریعہ سے حضرت سلیمان پر جا دوا مارا ہے۔ خدا نے اس کی تکذیب کی کہ ان دونوں فرشتوں پر کچھ نہیں اترا۔ جا دو تو شیاطین سکھایا کرتے ہیں۔ اور بابل میں ہاروت و ماروت نامی دو خاص آدمی ہیں جن کا یہی نام ہے۔

اس مطلب کو علامہ قرطبی نے بھی لپٹ لیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے سوا کوئی تاویل قابل

اور جن چیزوں میں چابکدستی اور سحر کی سی گرنت ہوتی کہ چیز اپنی اصلی حقیقت کے خلاف نظر آتی اس کو ”شعبہ“ کہتے تھے۔ یہ لفظ معرب ہے جس کے معنی انہوں نے یہیں سحر میں اصلی چیز فریب ہے جس شخص پر سحر ہوتا اس کو فریقہ (فریب دادہ) کہتے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب ہوی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر عربی میں اکالات صنعت و مکانیکس اور یورپ کی گھڑیوں کو بھی ایک قسم کے سحر میں شمار کرتے ہیں۔

جاہلیت میں عرب کے قرب و جوار میں جو قومیں رہتی تھیں ان کا گمان یہ تھا کہ سحر و شعبہ کا استفادہ جوہر میں کے خواص اور حسابی امور میں اور مطالع نجوم کے علم سے ہوتا ہے جس پر سحر کرنا ہوتا اس کی مشورہ ایک مکمل بناتے اور اس کے لئے ایک مخصوص دقت کے منتظر رہتے جس میں خاص تسلسلے میں اور اس کے ساتھ کچھ بجلی ملا کر شیطانوں سے فریاد دی جاتے تھے۔ جس شخص پر سحر ہوتا ان کے خیال میں ان سب باتوں کی وجہ سے اُس کی عجیبت ہو جاتی اور حقیقت بدل جاتی اس غرض کے لئے جن و شیاطین کو غلام بنانے کے لئے ترقیبی اور بھینٹ چڑایا کرتے تھے اور اس فن میں بہت سی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں جن میں ابن وحید کلدانی کی کتاب القرآن فی زیادہ مشہور ہے جس کو اس نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

عہد تمدن میں جب غیر قویں اسلام کے زیر اثر آئیں اور مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اکثر لوگ مسلمان بھی ہوئے تو مسالہ سحر کی اصلاح پر بھی توجہ کی اور اب یہ کہنے لگے کہ ہم ”لوگ خدا کی عبادت میں متعلق رہتے ہیں نصراً کیا کرتے ہیں، شیاطین و ارواح کو اس کے نام کی قسم دیتے ہیں، اور انسانی خواہشوں کو ترک

ملے شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ کی اصل عبارت یہ ہے: ”قسم منعم سحر صلی است با متانت االات عجمیہ الصفہ“
غریبہ حادث کنندہ اتحا ذان االات میثر لریق در ریافت مبنی می! خدش حل نبی موسی دالات ساعت شناسی کہ نرنگین می
مادند رفتح العزیز مطبوعہ ۱۲۶۲ھ منفعہ ۱۵۸۰-

عربی میں ”حل“ االات کو کہتے ہیں اور بنی موسیٰ سے مراد موسیٰ بن شاکر کے بیٹے محمد و احمد و حسن ہیں جو بہت عجیب و غریب االات کے موجد گزشتے ہیں۔

کر کے مہادت کا التزام رکھتے ہیں لہذا جن دنیاویین و ادراج ہماری اطاعت و خدمت کرتے ہیں۔ ہمارے امر و نہی کے مطابق تصرف کیا کرتے ہیں اور خدا کے نام سے قسم دینے کی وجہ سے مطیع رہتے ہیں اس لئے کہ اسرار الہی کی خاصیت یہ ہے کہ ان کو مطیع کر سکتے ہیں۔

قدیم زمانہ کفر و جہالت میں جا دو گروں نے بہت سی کتابیں سحر میں لکھی تھیں۔ مثلاً کتاب اریوس بن اسطفان بن بطلینس رومی جو رومی افسوسگروں میں سب سے بڑا عالم اور سربراہ اور وہ قوم کے لقب سے لقب تھا۔ اُس نے اپنی کتاب میں جنوں اور دیوؤں کے حربے و تلبیس کی اولاد اور کلوں میں ان کے متفرق ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور ان میں ہر جنس سے جو علل و ادراج و استلکات و افعال مخصوص ہیں سب کو بیان کیا ہے۔ ایک دوسری کتاب لوہن ساحر کی ہے جس میں جنوں کی سرشت و مولید و موخیز اور سرکش ادراج کا بیان ہے یہ کتاب اریوس رومی کی کتاب سے بڑی ہے۔

محمد بن اسمٰعیل صاحب منازعی و سیر کا بیان ہے کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں اور خصوصاً بعد غلیفہ مقتدر بادشاہ عباسی افسانوں اور خرافات سے بڑی دلچسپی لی جاتی تھی۔ اس وجہ سے افسانہ نویسوں نے خرافات میں کتابیں تصنیف کیں اور جس قدر جی میں آیا ان میں مہوٹ لگا۔ اس قسم کے خرافات بہت سے لوگ بنایا کرتے تھے جن کو علامہ ابن الندیم بغدادی نے مخ نام و لقب بیان کیا ہے علی کتابوں کے ضمن میں جب سحر کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ ہوئیں تو عوام پوری طرح سے ادب و ہفت بھٹے اس لئے کہ دہم یہ سایا ہوا تھا کہ سحر کے ذریعہ سے قہر کے عجیب غریب کام مثلاً ابھارنا۔ توجہ دینا۔ تسلط بٹھانا۔ فوجوں کو شکست دینا۔ دشمنوں کو قتل کر ڈالنا۔ پانی پر چلنا اور دور و دراز مسافتوں کو تھوڑی دیر میں قطع کرنا ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ سحر میں اکثر کتابیں تالیف ہوئیں۔

اس کا بادی ابن ہلال تھا پیشتر اہل عرب ان امور سے ذرا بھی واقف نہ تھے۔ یہ دروازہ اسی نے کھولا۔ وہ اس فن میں سرآمد تھا اور اس نے اکثر کتابیں لکھی تھیں۔ مثلاً۔

۱۔ ارواح پر اگندہ۔

۲۔ مفخر اعمال۔

۳۔ تفسیر اقوال شیطین بحضرت سلیمان علیہ السلام۔

۴۔ مہدی سلیمانؑ بنیاطینؑ اس کے بعد ابن ہلال کے بہت سے مقلد نکل آئے جنہوں نے اپنی تصانیف میں اس کی پیروی کی۔ مثلاً ابن امامؒ رعلیؒ حدیریؒ عقبہؒ آذرعیؒ ابو خالد خراسانیؒ ابن ابی رماصہؒ خلف بن یوسفؒ حماد بن مرہؒ وغیرہ وغیرہ جن کے نام گنانے سے کچھ حاصل نہیں۔

مسلمانوں میں شعبہ کا بھی رواج نہ تھا۔ پہلے پہل عبیدالکلیس (فرزانہ) اور ایک اور شخص نے جو قطب الرحا کے نام سے مشہور تھا اس بازی گری میں نام پیدا کیا۔ اس فن میں ان دونوں کی کئی کتابیں ہیں۔ مثلاً عبید فرزانہ کی کتاب شعبہ و کتاب الخرافات اور قطب الرحا کی کتاب جس میں چابکدستی اور ریزہ ریزہ کر ڈالنے اور بیخ کنی کا بیان ہے اور ایک اور کتاب جس میں تلوار اور لکڑی اور پتھر اور چونہ نکل لینے اور صابون دسٹیشہ چبانے اور کھانے کا تذکرہ ہے اور ان سب کی تدبیریں اور طریقے لکھے ہیں ۱۷

غرض کہ اسلام کو ان نئے نزاعات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ اکالیش جس سے اس کا دامن آلودہ ہوا یونانی اور رومی تمدن کا بغیر ہستی اور اس پر علماء اسلام نے سخت اعتراضات کئے اور سحر شعبہ میں مشغول ہونے والوں کی بڑی توبیخ کی۔

کشمۂ قدرت

(از مولانا عبد اللہ العلامی)

کائنات کی ہر چیز اپنی قدرت و اقتدار کی نمائش چاہتی ہے مگر مبدع کائنات کی قدرت کاملہ کی منو واریوں کو دیکھتی ہی نہیں، اور اگر غلط انداز نظروں سے دیکھ بھی لیا تو آمادہ تکذیب ہو گئے۔ آج کی صحبت میں اسی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے جس کو سمجھنے اور جس سے عبرت حاصل کرنے کے لئے پہلے آپ سورہ رحمان کی تلاوت کر لیجئے اور پھر اُس رحمان و رحیم کی قدرت دیکھئے۔

(۱)

سورہ رحمان میں جابجا قیامی الٰہ و ربِّکما تَکْذِبَانِ کا تنبیہ فقرہ وار دہرایا ہے جس کے معنی ”اے جماعت جن و انسان تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرہتے رہو گے؟ بتائے جاتے ہیں۔ اس فقرہ کا نسق اس طرح واقع ہوا ہے کہ پہلے خدا کی نعمتیں مذکور ہیں۔ پھر ان پر تنبیہ کیا گیا ہے۔ مثلاً۔

وَالْأَرْضُ وَصَعَهَا لِلْأَنْحَامِ فِيهَا نَارُ الْكَلْبَةِ
اور (اسی خدا نے) خاکست کے (غلامدہ کے) لئے زمین
وَالْأَنْحَامُ ذَاتُ الْكُلُمِ وَالْحُتُّ ذُو
بنادی ہے کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت
الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ قِيَامِي الْآلِ وَرَبِّکُمَا
میں جن کی گلیوں پر (قدرتی) غلاف چڑھتے ہوتے
تَکْذِبَانِ۔
ہیں اور (طرح طرح) کے (انماج جو) بھوسی کے قول

میں ہوتے ہیں اور خوشبو دار پھول ہیں۔ تو (اے جماعت جن و انسان) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرہتے رہو گے؟

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس فقرہ کے قبل جابجا ایسی ترتیب دہندہ کی کہانیاں بھی وارد ہیں جن سے نعت و رحمت

کا مفہوم بشکل سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثلاً:

سَنَفْعُ لَكُمْ أُنْهَاقَ الثَّقَلَانِ هَ فَيَا حَيِّ
الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ
وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا
مِنْ أَقْطَارِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ فَاَنْفُذُوا
لَا تَنْفُذُوا وَالْإِسْطِلَاطَانِ - فَيَا حَيِّ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ مُشَوَّطٍ
مِّنْ نَّارٍ يَوْمَ ذُنُوبِكُمْ فَلَا تَصْصِرُوا - فَيَا حَيِّ
الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - وَإِذَا الْأَشْقَاتُ لَمَّاءُ
تَكَامَتْ وَرُدَّ كَالذِّهَانِ - فَيَا حَيِّ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ
عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ - فَيَا حَيِّ
الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - يَعْرِفُ الْجِجْرُونُ
بِجَمَاهُمْ فَيَوْمَئِذٍ بِالْأَوَّاسِيِّ وَالْكَافِ
فَيَا حَيِّ الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ هَذِهِ
جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ
يَطُوفُونَ يَنْتَهَمُونَ بِئْنَ جَهَنَّمَ إِنِ فَيَا حَيِّ
الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - (آیت ۱۵-۲۲)

لے یہ ترجمہ ہم نے سب اہل فکر اس لئے کیا ہے کہ اہم راز ہی نے اس آیت کی ترکیب میں ایک شکل پیدا کر کے اس کے جواب دیئے
ہیں۔ پہلا جواب ان کی لئے نہیں مہملی ہے اور دوسرے جواب کی نہایت گھٹے ہیں۔ "وَمَا يَنْهَمُونَ بِالْأَوَّاسِيِّ وَالْكَافِ" (آیت ۱۵)

ہو جاتے ہیں۔

(۱) گنہگار کے گناہ کی بابت کسی دوسرے سے سوال نہ ہونا اس لئے نعمت ہے کہ صرف گنہگار پر عذاب ہوگا اور بے گناہ ہری نہیں گئے۔

(۲) گنہگاروں کی پہچان قائم رہتا اور ان کی کچھ دھکڑ ہونا بھی نعمت ہے کہ انہیں کی ذلت دامت ہوئی اور دوسرے بچ گئے۔

(۳) گنہگاروں کا جہنم سپرد کرنا اور انہیں کھڑے پانی میں ڈالنا بھی نعمت ہے اس لئے کہ وہ اس کے مستحق تھے۔

(۴) نعمتیں کسی قسم کی ہوتی ہیں۔

ایک نعمت ضروریات زندگی کا پیدا کرنا ہے مثلاً زمین جس پر ہم رہتے ہیں۔ اس کا پیدا کرنا بھی نعمت ہے یہ نہ ہوتی تو جگہ پہننے کے لئے کہاں سے آتی۔

نعمت کی دوسری قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کو بلا واسطہ ضروریات زندگی میں داخل کرنا تو مشکل ہے۔ مگر ہماری ضرورتوں میں کامیابی کے لئے ان کا ہونا بھی لازمی ہے۔ مثلاً نظام شمسی کی حرکت اور سیاروں کی چال کہ بغیر ان کے نہ موسم بدل سکتے ہیں۔ اور نہ غلہ پیدا ہو سکتا ہے۔

تیسری قسم کی نعمت وہ ہے کہ کوئی محتاج المیہ نہ ہو مگر مفید ضروریہ مثلاً دریاؤں کا پیدا کرنا اور کشتیاں چلانا۔

چوتھی قسم کی وہ نعمت ہے کہ چاہے مفید نہ ہو۔ مگر ان سے ایک طرح کی آرائش ہو جایا کرتی ہے جیسے گلزار یہ چاندل نہیں تو قوائے جسمانی کے متعلق ہوئیں۔ پانچویں نعمت جو سب سے بڑی ہے یہ ہے کہ خدا نے یہ جسمانی نعمتیں بھی انسان کو عنایت کیں اور ان سب اعلیٰ ایک روحانی نعمت بھی عطا فرمائی یعنی علم و

تَقِيْمُ الرَّحْمٰنِ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

ہیں وہ تائیدیں جن کی بنا پر کجائی الٰہیہ کو نہایت گہرا بنانا میں لفظ الٰہیہ کو نعمتوں کا مراد ثابت کیا گیا ہے لیکن کیا اس حد تک پہنچ کر تحقیق کا خاتمہ ہو گیا اور آگے کے لئے کوئی بات باقی نہیں رہی۔ اس کی تفتیح کے لئے ایک ذرا تامل کرنا چاہئے۔

(۲)

ان تاویلات کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے اس لئے کہ منکروں پر عذاب ہونا ممکن ہے کہ مطیع بند کے لئے رحمت و نعمت ہو کہ بے اس بلا و مصیبت میں ہی مبتلا ہوئے جو اس کے سختی تھے، غیر سختی صحیح تو ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عذاب جہنم کی عید تو صرف منکروں سے مخصوص ہے مطیع و مومن کو اس سے کیا تعلق۔ آگ کی کچی کچی کو انہیں جن دامن پر برساتی جائے گی جہنم خدا کی خدائی سے انکار تھا اور دنیا میں وہ اُس کی عظمت و جبروت کو بھٹکا یا کرتے تھے۔ کیا میں انہیں مخلوق سے خطاب بھی ہے اور انہیں کو ڈرا بھی گیا ہے ظاہر ہے کہ ان کا گرفتار ہونا دوسروں کے لئے نعمت ہو تو ہر خود ان کے لئے کسی طرح بھی نعمت نہیں۔ اور دوسروں کا جب یہاں تعلق ہی نہیں تو یہ بیل منڈھے چڑھے تو کیونکر؟ خطا ہے منکرین و کلمہ ہیں سے متقی عذاب ہوں منکرین و کلمہ ہیں عذاب ہیں خود ان کے لئے کسی قسم کی نعمت و رحمت کا سامہ نہ ہو۔ ہاں ہم صرف پرانی نعمت کو یاد دلوا کے اُن پر مار پڑے۔ وہی مثل ہوئی کہ ہمایہ کو خلعت ملا اور مار بھر پر پڑی کہ تو اس نعمت کی قدر نہیں کرتا اور احسان نہیں مانتا۔ رہی نعمتوں کا فیلسوفانہ تقسیم تو اس میں ہزار نکاتے نکالے جائیں مگر یہ باتیں اسی وقت مفید ہو سکتی ہیں جب پہلے یہ ثابت ہوئے کہ منکروں کا آگ میں جلا یا جانے خود ان منکروں کے لئے رحمت نہیں ہے رحمت ہے۔ یہ کہ رحمت کا تعلق مومنوں سے ہے اور اس کا احسان کفار پر بتایا جائے یہ تو لسانِ نصیب کی داد خواہی ہوئی کہ ہے

خدا داد و احسان بستان از دوائے شکر و عیسیٰ کہے با دیگران خود و راست و با من سرگراں داد

لے تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۰

(۳)

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ہر آیہ اور ہر سورہ اپنے قابل و بالبعث سے مربوط و منتظم ہے۔ سورہ رحمن سے پہلے سورہ قمر ہے جس میں چاند جیسے عظیم الشان کُرّہ کے پھٹنے نفلے آسمان کے پٹ کھولنے اور بڑی بڑی جہاز اقوام کے پائل و فنان کرینے کے اشارے ہیں اور ان سب کے تذکرہ سے خدا نے بنیادوں پر انہی عظمت و جلال و قدرت کا سکہ بٹھایا ہے۔ سورہ رحمن کے بعد سورہ واقعہ ہے جس میں قیامت ہونے۔ زمین کے دہل اٹھنے پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے پھشتیوں اور دوزخیوں پر رحمت اور عذاب ہونے ٹری گلی ہڈیوں پر گوشت و پوست پہنا کر آدمی بنانے مخلوقات کی شکل و سیما بدل دینے۔ ویش ڈالک کے تذکرے میں عہد ان کی بھی یہی طرزی ہے کہ کمر در بر خود غلط انسان کو جناب باری کی عظمت و اقتدار کا اندازہ ہو سکے۔ ان دونوں کے بیچ میں سورہ رحمن ہے جس کا افتتاح اس پر ہے :-

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ الشَّمْسُ الْاُمِّيَّةُ الْيَوْمِ وَالشَّجَرُ

۱۔ نجم۔ سورہ بھی کہتے ہیں اور ہیڈوں کی جھاڑی کو بھی لیکن اس کے نسبت درخت کے ساتھ مل جائے تو یہ دنیا سب ادب بن کر میر نے حضرت ابن عباس و سعید و سدی و سیاق سے یہی روایت بھی کہ ہے کہ اس آیت میں شجر سے تار و درخت مراد ہے اور نجم سے پورٹا کا جھاڑی۔ خود ابن جریر بھی اختلاف کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں۔ والی القول لینی قول من قال عنی بالنجم ما یخبر عن الارض من نبات لعلط الشجر علیہ فكان بان بکون معناه لذلک ما قام علی ساق و ما لا یقوم علی ساق یسجد ان لله معنی انہ تسجد لہ الا شیاؤ کلہا الختلاف الہیات من خلقہ یعنی نجم کے معنی میں تار و درخت پورٹوں کی جھاڑی کے دو قول جو ہیں تو ان دونوں میں یہ قول زیادہ صحیح و مناسب ہے کہ نجم سے مراد دنیا ناتی جھاڑیاں ہیں جو زمین اگتی ہیں اس لئے کہ لفظ "نجم" اس پر معطوف ہے۔ گویا مطلب یہ کہ درخت جو ساق ملہ ہو ہے اور جھاڑی جسے ساق کی ہوتی ہے دونوں خدا کے آگے سربسجود ہیں۔ یعنی اس کے مخلوقات میں تمام چیزیں جن کی شکل و ہیئت خواہ کتنی ہی مختلف ہو سب اس کی عزت و قدر کے لئے حاضر ہیں۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۶۲)

يَسْجُدُ اِنَّ السَّمَاوَاتِ وَفَعَهَا وَضَعُ الْمِيزَانِ اَلَا تَطْعُرَانِ الْمِيزَانَ دَايِمًا اَلْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ - وَالْاَرْضُ وَضَعَهَا يَلَا تَامِ فِيهَا نَاكِلَةً وَالتَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْثَامِ - وَطَلَبُ دُمُ الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانِ فَيَا قِيَامُ اَلَا تَرَى كَمَا تَكْذِبُ اَنَّ الْاِنْسَانَ مِنْ مُتَصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ فَيَا قِيَامُ اَلَا تَرَى كَمَا تَكْذِبُ اَنَّ رَبَّ الْمُشْرِكِينَ دَرَبَ الْمُعْصِيَيْنِ فَيَا قِيَامُ اَلَا تَرَى كَمَا تَكْذِبُ اَنَّ مَرْجُ الْفُجُورِ

سجود ہیں اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور توازن بنا دی ہے کہ تم لوگ تو نے میں وعدہ اعتدال سے) تجا وزن ذکر اور انصاف کے ساتھ سید ہی تول تو اور کم نہ تو اور اسی نے صفت کے (فائدے کے) لئے زمین بنا دی ہے کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن کی گیلوں پر قدرت (غلات چڑھے ہوئے ہیں۔ اور خوشبودار پھول ہیں۔ تو اسے جن انسان کے دونوں گردہوں تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرے رہو گے۔ اسی نے انسان (اصل) کو پٹری کی طرح بچنے والی مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کی لو سے۔ تو اے دونوں گردہوں تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرے ہو گے، (وہی جاڑے اور گرمی میں) آفتاب کے نکلنے کے دو مختلف مقاموں (اور ایسے ہی) ڈوبنے کے دو مختلف مقاموں کا مالک ہے۔ تو اے دونوں گردہوں تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرے رہو گے“ اسی نے (دو طرح کے) دریا نکلے کہ

لے سجدہ مرجھانے کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نہ درخت مرجھانے اور نہ جھاڑیاں سجدہ کرتی ہیں۔ لیکن علامہ ابن جریر طبری نے ابو رزین و سعید سے روایت کی ہے ظلمہما السجود ہما۔ یعنی درختوں اور جھاڑیوں کا سجدہ یہی ہے کہ ان کا سایہ پڑا پھرتا ہے۔ ابن جریر صفحہ ۱۶۷ اصل میں سجدہ کے مفہوم میں غایت افسردہ و تزلزل و فرمان برداری مضمر ہے۔ اس لئے آیت میں سجدہ سے مرجھانے کی بیانات مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم مقصود ہے۔ علامہ ابو السعود صفحہ ۱۸۰ میں کہتے ہیں:-

”يسجد ان اى يقادله تعالى فيما يوبىد بهما طبعاً انقياد السجدة من الملكتين طوعاً و

جلد ۵ درخت اور جھاڑیاں سجدہ کرتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ مذاجس بات کو چاہے تہلہ وہ قدرتی طور پر اس امر میں حکم الہی کی سطح پر رہتی ہیں اور یہ اطاعت ان کی اسی رنگ کی ہے جس رنگ میں کہ خدا کے ملکیت بندے اظہار اطاعت کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔

يَلْتَمِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ فَيَأْتِي
 الْاَوَّلُ رَبَّكُمَا تُكَذِّبَانِ - يَخْرُجُ مِنْهُمَا
 الْاَوَّلُ لَوَمٍ وَالْمَوْجَانِ فَيَأْتِي الْاَوَّلُ رَبَّكُمَا
 تُكَذِّبَانِ - وَكَهَ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ
 فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ - فَيَأْتِي الْاَوَّلُ رَبَّكُمَا
 تُكَذِّبَانِ - كُلٌّ مِنْ عَمَلِهَا فَاَن ذِي يَبْقَى
 رُجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ
 فَيَأْتِي الْاَوَّلُ رَبَّكُمَا تُكَذِّبَانِ (۱۳-۱۱)

آپس میں ملتے ہیں اور پھر بھی (دونوں میں ایک پردہ
 رہتا ہے کہ اُس سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ
 نہیں سکتے۔ تو رے دونوں گرد ہو) تم اپنے پروردگار
 کی کون کونسی نعمتوں سے مکر تے رہو گے، نکلتے ہیں
 اُن دونوں میں سے بڑے اور چھوٹے موتی تو رے
 دونوں گرد ہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں
 سے مکر تے رہو گے اور اسی کے ہیں جہاز خود ریا میں
 پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے (دکھائی دیتے ہیں
 تو رے دونوں گرد ہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکر تے رہو گے۔ اس کرۂ زمین پر بستے
 منتفس ہیں رہنا جو زماں میں اور (صرف) تیرے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی عظمت والی اور بزرگ
 ذات ہے۔ تو رے دونوں گرد ہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکر تے رہو گے۔

ملہ دودیا نکالنے کے متعلق عجیب عجیب اختلافات پیدا ہو گئے ہیں شکل پسند طبیعتوں کے نزدیک معمولی دریاؤں میں کوئی
 خاص اہمیت نہ تھی کہ قرآن میں ان کا ذکر ہوتا اس لئے بات یہ پیدا کی کہ دودیاؤں سے ایک وہ دریا مراد ہے جو آسمان
 میں ہے اور ایک وہ جو زمین ہے۔ یہ دونوں سال میں ایک مرتبہ طہا کرتے ہیں۔

دوسرے فریق نے غالباً یہ سمجھ کر کہ عمر فارح سے سلاؤں کے تعلقات نہایت وسیع ہیں تعین کر دی کہ ”موج
 الْبَحْرِ“ زمین میں نہ ملنے انہیں دونوں دریاؤں کا ارادہ کیا ہے۔

ابن جریر نے صفحہ ۶۸ میں یہ دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔ اور خود ان کی لئے یہی پہلی روایت کو ترجیح ہے۔

لیکن اس شکل پسندی میں پھنسنے کی ضرورت کیا ہے جس چیز کا تعین ظاہر رسولؐ نے دکھا ہوا عقل و علم بھی اس کے

حالی نہیں اس کو نہ کیا ضرور ہے۔ کیوں نہ وہ تمام دریاؤں سے مراد ہوں جو باہم ملتے ہیں اور پھر بھی جو اسے ہیں (ملتی ہر صفحہ ۶۲)

(۴۱)

تاریخ شاہد ہے کہ غنیمت کے غلبہ نے عربیت کے خط و حال تک بدل دیئے اس طوفان میں عربی زبان اور اس کے اسلوب کا برقرار رہ جانا کچھ آسان نہ تھا، الفاظ تو وہی ہے، مگر معانی تبدیل ہو گئے لغویں نے، اگر کبک سب غمی تھے، اَلَا نَاثَارَ اللہ وہی بدلے ہوئے معانی لغت میں ثبت کر دیئے کس کو فرصت کہ کلام جاہلیت کا تسبیح کرے اور سمجھے کہ کلام اللہ جس زبان میں نازل ہوا اس کے کلمات کا مفہوم اس زبان میں کیا تھا۔

یہی دیکھئے کہ لفظ آلاء کے معنی سب نعمتوں کے قرار دیئے ہیں۔ علامہ زنجیری عربی زبان کے ایک مشہور ادیب ہیں اور عربیت میں ان کی دستگاہ منہج ہے، انگریزی تفسیر میں وہ بھی اس سے قدم نہیں بڑھا تھے۔

(بقیہ صفحہ ۶۳) کمال اتصال پر بھی ایک دوسرے سے متاثر ہیں اور سی ایک کو دوسرے پر زیادتی کا موقع ملے۔
۱۵۷ امام رازی نے یہ ناکر کہ آیت مذکور میں دو دریاؤں سے میٹھے اور کھائے پانی کے دو دریا مراد ہیں۔ خود ہی یہ اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں قسم کے دریاؤں سے موتی کو نکال پیدا ہو سکتے ہیں۔ موتی تو محض دریا سے خود پیدا ہوتے ہیں میٹھے پانی کے سندوں میں تو پیدا نہیں ہوتے ہیں اعتراف کا امام صاحب نے کئی طرح سے جواب دیا ہے۔
(۱) قرآن جب دعویٰ کر رہا ہے کہ دونوں قسم کے سندوں سے موتی نکلتے ہیں تو اس کے خلاف انسانی تجربہ ناقابل تسلیم ہے
(۲) بالفرض دریا سے خود ہی موتی پیدا ہوتے ہیں لیکن آخر پیدا تو صدف کے اندر مینہ کے قطرہ ہی سے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مینہ کو آسمان ہی کے دریا سے قلع ہے۔

(۴) دونوں دریاؤں سے موتی پیدا ہونے کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہوں تو دونوں میں ہوں۔ کسی ایک میں بھی اگر پیدا ہوں تو مطلب نکل آیا۔ محاورہ میں کہتے ہیں۔ خروج فلان من بلا دکن۱۔ ودخل بلا دکن۱۔ بلا بلدہ کی جمع ہے۔ حالانکہ اس شخص کا داخلہ یا خروج کسی ایک خاص شہر سے ہو کر رہا ہے (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)۔

فلان ہندوؤں کے متعلق دریافت طلب یہ ہے کہ: (۱) قرآن نے کب اور کہاں یہ دعویٰ کیا کہ مخرج البحرین میں "بحرین" سے دریا گئے تھوہ دریا کے شیریں مراد ہیں اور ان دونوں سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) صدف میں مینہ کے قطرے سے موتی کا پیدا ہونا غلط تحقیق ہے۔ (۳) آخری تاویل قرین قیاس ہے بشرطیکہ تاویل کا مبنی ضعیف نہ ہو۔

۱۵۸ محاورہ عرب میں بڑے موتیوں کو توڑا دھوٹے کو مرجان کہتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس اور قتادہ دمنجاک کی روایتیں بھی اس کی تائید میں نقل کی ہیں (تفسیر ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۶۹)

اہلِ لغت میں صاحبِ لسانِ العرب کا خاص پایہ ہے گردہ بھی آگے نہیں بڑھتے تھے
 اکیلے ایک ابنِ جریر بطری ہیں کہ آلا کے معنی "قدرة" لکھتے ہیں۔
 لیکن اس معرکہِ جدل میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کلامِ اللہ جس زبان میں نازل ہوا اُسے
 اسی زبان اور اسی صدی کی زبان میں دیکھیں کہ اہلِ زبان اس کے کیا معنی سمجھتے تھے۔
 کینٹ اپنے گھوڑے کی صفت کرتا ہے۔

فرضیت الکاء الکمیت فن یدع فرسا نلیس جوادنا جببا ع

حماسی اپنے مددِ دلید بن ادہم کے اقتدار کا مرنیہ خوان ہے۔

اذا ما امرؤ اشقی بالآء مَیت فلا یبعد الله الولید بن ادہما

فضالہ فقر کی بُرائیاں گنتا ہے۔

وفي الفقر ذلٌّ للرقاب، وقلما رأيتُ فقيراً غير نكسٍ مُذمم

یلا مدوان کان الصواب یکفه و"تُحمد" الآء البخیل المددہم

لطف یہ ہے کہ خود صاحبِ لسانِ العرب نے اذہ "نبہ" میں طرّفہ کا یہ شعر نقل کیا ہے :-

کامل "یجمع" الآء الفتی نَبہ سید سادات خضم

کلام میں تذکرہ کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں "الاء" کو قدرت و اقتدار کے معنی میں استعمال کرتے

تھے جو نعمت و عذاب دونوں پر یکساں حاوی ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اوصافِ مراد لیتے تھے یہی

معانی کلامِ عرب سے مترشح ہیں، اور کلامِ اللہ میں، ٹھیک اترتے ہیں۔

(۵)

ایک بات کہنے سے رہ گئی، منشاء غلطاً بقہ کا یہ شعر تھا:-

هم الملوك و ابناء الملوك لهم فضل على الناس في الاكل والنعم

عجمی اہل لغت "نعم" پھر آلا کو تھیں کر کے دونوں کو مترادف سمجھے، اور اس مترادف کو دھت بلور کرنے کے لئے پورا دیوان عجم بھرا پڑا تھا۔
فردوسی کہہ چکا ہے:-

برینج انگبین ریزی و شہد ناب

سمجھے کہ انگبین و شہد ایک ہے تو "آلا" اور "نعم" کیوں نہ ایک ہوں، اسلوب عرب سے گراگاہ ہوتے تو مترادفات کا خیال ہی نہ آتا جس سے ادب عرب کو سوکار ہی نہ تھا۔ جاہلیت کا کوئی دیوان دیکھئے ایک بیت میں ایک سنے کے لئے دو لفظ کبھی نہ لائیں گے اگر کسی نے یہ غلطی کی تو ساقط الا اعتبار ہو گیا۔
نالغہ کا مطلب صاف ہے کہ "آلا" یعنی اتذارات اور لغات دونوں میں اس کے مدد میں کی کیفیت مسلم ہے۔

حاشیہ۔ آلا جمع ہوا اور آلی واحد واحد کی صورت میں جب مکسور الاول لاتے ہیں تو اس سے عہد و پیمان مراد لیتے ہیں غشی کہتا ہے۔

ابيض لا يرهب الهزال ولا يقطم رحماً ولا يخنون "لا"

جمع کی صورت میں جب آلا کو غیر مدد دلاتے ہیں تو اس سے ایک درخت مراد لیتے ہیں جس کے پھل دیکھنے میں تو خوش مزہ مگر چکھنے میں بہت تلخ ہوتے ہیں بشر بن ابی غازم کہتا ہے۔

فانكم و مدد حكمم بجيئاً ابا لجاء كما امتدح الا لاء

نعمت سے آلا کی تاویل بھی خوش منظر ہے، لیکن اہل ذوق کو اندیشہ ہے آلا کی طرح یہ بھی تلخ نہ ہو

(۱۱)

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو کہ سورہ رحمان کی ابتدا جہاں خدا کی رحمت سے ہوئی ہے کہ سابق و لاحق کی حلال و مجبوت کی باتوں سے انسان مرعوب ہو کر از خود رفتہ نہ ہو جائے۔ وہیں ساتھ کے ساتھ ایسے واقعات بھی یاد دلانے ہیں جو قدرت خداوندی کے عظیم الشان نمونے ہیں اور جن دانس کو ان پر متنبہ کیا ہے کہ وہ قادر مطلق جس کی قدرت اس قدر وسیع ہو اُس کے کون کون سے امتداد سے کمر بستہ ہو۔ علامہ ابن جریر فرماتے ہیں:-

حدثني يونس قال اخبرنا بن وهب مجھے سے یونس نے روایت کی کہ ابن وہب نے انہیں اطلاع قال قال ابن زيد في قوله: فَيَأْتِي الْآلَاءُ دى کہ: فَيَأْتِي الْآلَاءُ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ کے متعلق وَبِكُمَا تُكَذِّبَانِ قال: "الآلاءُ العُدَّةُ ابن زید لکھتے ہیں کہ: "الآلاءُ کے معنے قدرت کے ہیں۔ یعنی فَيَأْتِي الْآلَاءُ تَكْذِبُ خَلْقَكُمْ كَذِبًا خدا نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ تم نے جماعت جن و کذا فَيَأْتِي قَدْرَةُ اللَّهِ تَكْذِبَانِ انس خدا کی کون کون سی قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ لہذا اِيَهَا الشُّعْلَانِ الْجَنِّ وَالْإِنْسُ

امام رازی خَلَقَ الْجَنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ انسان کو جو نعمتیں خدا نے دی ہیں جب ان کا گناہ نامقصود تھا تو جن کے پیدا کرنے میں کون سی نعمت ٹھیری۔ اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:-

وَالْإِيمَانُ مَذْكُورَةٌ لِبَيَانِ الْعُدَّةِ یہ آیت نعمت کا تذکرہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ لِبَيَانِ النِّعْمَةِ لہذا قدرت کا تذکرہ کرنے کے لئے ہے لہذا

ایک دوسرے مقام پر مَخْرُجٌ مِنْهُمَا اللَّوْءُ وَالْمَرْحَانِ (ان دو طرح کے دریاؤں

میں سے بڑے چھوٹے موتی نکلتے ہیں کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

احیٰ نعمۃ عظیمۃ فی اللؤلؤ و
الموہبات حتیٰ ید کرمہما اللہ
تعالیٰ مع نعمۃ نعمہم اقران
وخلق الانسان؟

بڑے چھوٹے موتی ہیں کون ایسی بڑی نعمت
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم اور انسان کی
آفرینش کے ساتھ میں اس کا بھی تذکرہ کیا؟

اس امراض کے دو جواب دیے ہیں۔ ایک وہ جس میں نعمتوں کی تقسیم کی ہے اور جس کو حزن
(زر) کے تحت ہم نقل کر چکے ہیں۔ دوسری توجیہ حسب ذیل ہے:-

ہذا بیان عجائب اللہ تعالیٰ
لا بیان النعمۃ

یہ اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کا بیان ہے۔
نعمتوں کا بیان نہیں ہے۔

الاؤ کو قدرت کا مائل مان لینے کے بعد کسی تاویل کی حاجت نہیں رہتی۔ رحمت و نعمت و عذاب
ان سب کا مفہوم اسی قدرت کے تحت آجاتا ہے؟

غزائِقِ عَلَی

(از جناب مولانا عبداللہ العماوی)

(۱)

غزائِقِ غزینِ یا غزائِقِ یا غزائِقِ کی جمع ہے جس سے گوئے رنگ کے خورد نرم و نازک نوجوان مراد ہیں۔
اِذَا اَنْتَ غُرْنَاکَ الشَّبَابَ مِیَالِ ذُو دَايَتَیْنِ یَنْفَحَانِ السَّرْبَالَ
امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب فرماتے ہیں۔

کَاُنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْ غُرْنَوْقٍ مِّنْ قَرِیْشٍ یَثْمُحُطُ فِیْ دِمَہِ
بحری جوانی کا مفہوم بھی آتا ہے:-

اَلَا اِنَّ تَطْلَابَ الصَّبْرِ مَنَّا زِلَّةٌ وَقَدْ فَاَتَ رِیْعَانِ الشَّبَابِ لَغْوَالِقِ
فرہ و جمیم کو بھی کہتے ہیں۔

قُلْتُ سَعْدٍ وَهُوَ بِالْاَزَارِقِ عَلَیْكَ بِالْحِضِّ وَبِالْمِشَارِقِ
واللہو عند یارِ غزائِقِ

ایک طرح کی مرغابی کا نام بھی ہے:-

اِحْدَاہِیْ اِنَّا لَجَنَةٌ بَعْدَ لُجَّةٍ اَذِلَّ کَعَوْنِیْقِ الضُّحُوْلِ عُمُوْجِ
اسی نام کا ایک پودا بھی ہے:-

ابن الانباری کہتے ہیں:-

الغزائِقِ العُلَیْیْ ہِیَ الْاَصْنَامُ وَہِیَ فِیْ غَزَائِقِ عَلَی سے بت مراد ہیں، اصل میں یہ مرغابیوں کا

الْأَصْلَ الذِّكْرُ مِنْ طَيْرِ الْمَاءِ وَكَانُوا
 ابْنُ عَمْرٍو أَنَّ الْأَصْنَافَ تَقْبَلُهُمْ مِنَ اللَّهِ
 وَتَشْفَعُ لَهُمْ إِلَيْهِ فَفُتِحَتْ بِالطَّيْرِ الَّتِي
 تَعْلُو وَتُرْفَعُ فِي السَّمَاءِ -
 نام ہے رُشْرِقین کو گمان تھا کہ جناہ الہی میں بت ان کے
 ذریعہ تفریب ہیں اور اس بارگاہ میں ان کی شفا کرتے
 ہیں، اسی بنا پر بتوں کو ان چڑھیوں سے تشبیہ دی جو بلند
 ہوں اور اونچے اڑیں اور آسمان کی خبر لیں۔

۷۱

یہ تو لفظ کے معنی ہوئے اب مطلب کو دیکھیے کہ مظهر عجاب و مطلع غرائب ہے۔
 اس لفظ کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کرتے ہیں کہ بول تو آپ ہمیشہ بتوں کے دشمن
 تھے، لیکن ایک دن شیطان نے قابو پا کر آپ کی زبان سے بھی بتوں کی تعریف کواہی لی۔
 کیا شیطان کو اتنی قدرت ہے کہ انبیائے کرام بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکیں؟ مفسرین اس سوال
 کے جواب میں مذہب ہیں، اور اس تذبذب کی وجہ سورہ حج کی یہ آیت ہے:-
 وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَنْبِئُ
 إِلَّا ذَا مَتْنٍ أَتَقْنَى الشَّيْطَانُ فِيْ أُمْنِيَّتِهِمْ
 فَيَلْسَنُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ - ثُمَّ يُحْكِمُ
 اللَّهُ أَيْتَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (آیت ۲۲: ۳۶)
 کرتا ہے اور خدا دانای حکیم ہے
 یعنی پیغمبر جب تقرب الی اللہ کے لئے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو شیطان اس کے خلاف دوسرے
 پیدا کرتا ہے۔ پیغمبر اس صورت میں خدا سے رجوع کرتا ہے۔

اس کی نظیر ایک دوسری آیت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ
 الشَّيْطَانِ تَذَكُّرًا ذَا هُمْ مَبْصُرُونَ -
 پرہیزگاروں کو جب شیطان کسی گروہ نے چھو لیا مگر انہیں بے خیالان کے
 دل میں آئے۔ تو انہیں اندر لے یا دکر تھا کہ اہل عبادت والے ہوتے
 (سورہ ۷، رکوع ۲۳ - آیت ۱۷۹)

ایک اور آیت میں ہے:-

وَمَا يَنْزَعْنِكَ الشَّيْطَانُ نَزْعٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ (۷۱: ۲۴)
شیطان جب تیرے دل میں کوئی دوسرے ڈالے تو
خدا سے پناہ مانگ

عرض یہ ہے کہ پیغمبران مرسل کو خدا نے اگرچہ دائرہ خط سے معصوم بنایا ہے لیکن جواز سہواً دوسرے شیطانی سے و معصوم نہیں۔ اس باب میں جو تمام آدمیوں کا حال ہے وہی ان کا بھی ہے بجز ان لوگوں کے جو وہ جان کر کریں۔ سہو میں ان کی پیروی نہ کرنی چاہئے۔ جو کام وہ بالعقد کرتے ہیں استواء و حکم ہی ہے المؤمنین کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کے لئے انہیں میں سے پیغمبر بنا کر بھیجے ہیں، انہیں بھیجے ہیں۔ اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں کہ وحی کی تلاوت میں شیطانی دوسرے سے بچا ہو۔ شیطان اس کے ذہن میں وحی کی منافی باتیں ڈال دیتا ہے۔ اور اسے یاد کرنے نہیں دیتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ پیغمبر کو وحی اور حفظ وحی پر ثابت قدم کر دیتا ہے اور اسے یہ بتا دیتا ہے کہ یہ امر درست ہے اور شیطان کی جانب سے جو بات ہوتی ہے اس کو مٹا دیتا ہے (رازی ج ۲ ص ۲۵)

(۲)

مفسرین اس کی شان نزول میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قوم کا رخ ہوئے رہنا گراں گذر تو آپ کے حبیبیں آیا کہ ایسی وحی نہ آتی جس سے قریش متغیر ہوں۔ اس لئے کہ آپ کو ان کے ایمان لانے کی بڑی تمنائی، ایک روز آپ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ النجم اِذَا هَوٰیؕ اِترَاؕ آپ نے اس کو پڑھنا شروع کیا۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ اَفَرَاَيْتَ اللَّاتَ وَ الْعُزٰی۔ وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی۔ اور وہ خواہش دل میں موجود تھی تو شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیا کہ۔ تِلْكَ الْغَوَاقِلُ الَّتِي هَلَعَتْ دَانَ شِفَاعَتِهِمْ لِقَرَّتْ حُبِّیؕ و یعنی ان نازک انداز دعا و لیشان بتوں سے شفاعت کی امید ہے، قریش نے جب یہ سنا تو خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بدستور بڑھنے پہ سخی کہ حسبِ سورت ختم ہوئی تو آپ نے آخر میں سجدہ کیا اساتذہ ہی مجلس میں جتنے مسلمان و کافر تھے سب نے سجدہ کیا۔ قریش کی خوشی کا کیا کہنا کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہمارے معبودوں کو خوبی سے یاد کیا ہے۔ حضرت جبریلؑ اُٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہ خدا کی جانب سے میں جو الفاظ نہیں لایا تھا وہ آپ نے پڑھ دیئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور بہت ڈٹے تو انہوں نے آیت اتاری۔

اس واقعہ کو ابن ابی حاتم طبری داہن منذر نے شعبہ کی سند سے اور بڑا رواہ ابن مردویہ نے امیر بن خالد سے روایت کیا ہے اور وہ بھی شعبہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو تفصیلاً سیرۃ النبیؐ میں محمد بن کعب کی سند سے اور موسیٰ بن عقبہ نے معازی میں ابن شہاب کی سند سے اور ابو معشر نے محمد بن کعب کی سند سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ”معنی سب کے ایک ہیں اور بجز سعید بن جبیر کے یہ حدیث اور جتنے طریقوں سے روایت ہوئی ہے سب یا تو ضعیف ہیں یا منقطع ہیں۔ لیکن کثرتِ طرق سے پتہ چلتا ہے کہ شعبہ کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہے۔ اس کے دو طریقے اور بھی ہیں۔ جو مرسل ہیں۔ اور ان کے راوی ویسے ہی ہیں جیسے صحیحین کے ایک روایت تو وہ ہے جو طبری نے یونس بن یزید کی سند سے ابن شہاب سے روایت کی ہے اور دوسری وہ ہے جو معتمر بن سلیمان و حماد بن سلمہ کی سند سے روایت کی ہے۔ ابو بکر بن العربی نے حسبِ عادت بڑی جرات سے کہا ہے کہ طبری نے اس بارے میں بہت سی لغو بے اصل روایتیں درج کی ہیں۔ اور عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث کو اہلِ صحت میں کسی ثقہ نے بلندِ صحیح متصل روایت ہی نہیں کیا ہے۔ اس کے ناقل جتنے ہیں سب ضعیف ہیں روایتیں مضطرب ہیں اور منقطع ہے۔ تابعین و مفسرین میں ابی ہریرہؓ نے

۱۔ حدیث مرسل وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا یہ کہا ہے اور صحابی جس کے سلسلے سے اس کی حدیث روایت کرنی چاہئے اس کا نام نہ لے حدیث مرسل کے قابلِ استدلال کہنے میں اہلِ علم مختلف ہیں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر کسی دوسرے درستی کے لیے بھی مرسل کی تقویت ہوتی ہو تو مان لینا چاہئے ورنہ نہیں ۱۔

اس قصہ کو بیان کیا ہے کسی نے سند نہیں پیش کی اور نہ اصل راوی تک مرفوع کیا۔ اس کے اکثر طریقے ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال خلاف قاعدہ ہیں۔ اس لئے کہ روایت کے طریقے جب اکثر ہوں اور ماخذ مختلف ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی اصلیت ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان میں متن حدیثوں کی سندیں صحیح کے قاعدے پر ہیں اور یہ تینوں مرسل ہیں۔

(۴)

حقیقت یہ ہے کہ ایسی حالت میں حدیث مرسل سے استدلال صحیح نہیں روایت جب فاسد ہے تو گو اس کے بہت سے طریقے ہوں اور مختلف ماخذ ہوں لیکن بنائے استدلال اس کو قرار دینا بنائے فاسطی الفاسد ہے ابن العربی و قاضی عیاض نے جو لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کے دہی مناسبت اس لئے کہ آنحضرت کی عصمت اور اس قسم کے ردائل سے منزہ و مبرا ہونے پر استقامت کا اجماع ہے اور دین قائم ہو چکی ہے۔ نفوذ باللہ نہ ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آسکتی ہے اور نہ زبان پر کہ بغیر ہجو و عدا یا سہواً خدا پر محو و باز صیغے سے تو عدا و عرفا بھی محال ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے۔ حال آنکہ کہ ایسا نہیں ہوا۔ اور جو مسلمان دہاں موجود تھے۔ ان سے یہ واقعہ مخفی کیونکر رہا؟

حافظ ابن حجر نے اسی وجہ سے ایک مقام پر خود کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثنائے نزول میں شیطان کا التا کرنا نہ تو از بسے عقل صحیح ہے اور نہ از بسے نقل۔

از بسے عقل اس لئے نہیں کہ جس نے یہ جائز رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعظیم کی اس کا یہ قول کفر ہے۔ اس لئے کہ جراثیم معلوم ہے کہ آپ کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ بتوں کا ازالہ ہو۔ اگر اس کو جائز سمجھیں تو شریعت سے امن و حفاظت اٹھ جائے اور تمام احکام و قوانین اسلام میں ماننا پڑے کہ ایسے ہی ہیں اور خدا کا یہ قول غلط ہو جائے کہ :-

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ لَأَن لَّكُمْ تَعْمَلُ لَكُمْ بَلِّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ اللَّهُ
کے شریعہ بچائے ہے گا: (سورہ ۵ رکوع ۹ آیت ۶۲)

اور یہ کلمی ہوئی بات ہے کہ وحی میں کم کرنا یا بڑھانا دونوں یکساں ہے۔

نقلایہ واقعہ اس لئے صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔

وَكُذِّبَتْ عَلَيْنَا مَبْعُؤُا قَادِيلٍ ۚ أَخَذْنَا
منہ بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین کرتے اور اس کے دل کی رگ کاٹ دیتے۔
(سورہ ۶۹ رکوع ۱۷ آیت ۲۰-۱۹)

اور دوسری آیت میں ہے :-

قُلْ مَا يَكُونُ لِي اَنْ اَبْدِلَهُ مِنْ تِلْكَ نَفْسِي
ان اَتَّبِعْ اِلَّا مَا يُؤْتِيهِ اِلٰى
خود اسی سورہ النجم میں ہے :-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ
يُوحٰى (سورہ ۵۳ رکوع ۲ آیت ۱۷) کلام وحی ہوتا ہے۔

اس آیت کے بعد اگر تِلْكَ الْغَرَابِيقِ الْعَلٰی طرحتے اور بتوں کی تعریف کرتے تو اسی وقت اللہ کی تکذیب ہو جاتی اور یہ کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

(۵)

حدیث میں ہے کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس تفسیر کی بابت استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "اس کو بے دینوں نے وضع کیا ہے۔ اور پھر اس کے البطلان میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔"

بہتقی نے فرمایا ہے ”کہ حدیث سے یہ تصدق ثابت نہیں“ اس کے جتنے راوی ہیں بہتقی نے سب میں کلام کیا ہے اور سب کو معطون ٹھہرایا ہے۔

حدیث میں صرف اس قدر ابن مسعود سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کو پڑھ کر سجدہ کیا۔“ بجز ایک قریشی سردار کے کہ اس نے مٹھی بھر لکڑی یا مٹی اٹھا کر پیشانی پر مل لی ”عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ بحالت کفر قتل ہوا یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کے آخر میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمان و کافر جن داس یعنی سب سجدہ کیا یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے

ان روایات صحیح میں کہیں نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے یا پڑھے تھے۔

جو واقعہ مفسرین نے اس قصہ میں ابن عباس سے روایت کیا ہے تو ابن عباس سے اس کا راوی کبھی ہے اللہ وہ نہایت ضعیف بلکہ متروک و ناقابل اعتبار ہے۔ ایک دوسری سند سے نحاس نے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے راوی داؤدی ہیں احادیث میں ان کے نام ہی کا آنا اس حدیث کے بے سرو پا ہونے کے لئے کافی ہے۔

امام بزار کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستصلی مروی ہو۔

ابن کثیر کہتے ہیں ”بہت سے مفسرین نے قصہ غزائق بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اکثر مہاجرین رض حبشہ سے اس گمان کی وجہ سے لوٹ آئے کہ مشرکین مسلمان ہو گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی صدا کے جتنے طریق ہیں سب سراسر ہیں، میں نے کوئی بھی صحیح طور پر مستند نہیں دیکھا۔“

خلاصہ یہ کہ اس باب میں جتنی روایتیں ہیں سب یا تو مرسل ہیں یا در منقطع السند ہیں جن میں ایک بھی قابل استدلال نہیں۔ جن صاحبوں کو یہ تمام حدیثیں دیکھنا ہوں وہ سیوطی کی در مشورہ میں دیکھیں۔

کلام القرآن

(از جناب مولوی اکرم علی محمدی صاحب)

قرآن مجید کی آیات کو روزمرہ کی بول چال میں رد و جہل کی بجائے کی تجویز، ایک عمدہ تجویز ہے جسے بعض احباب نے پیش کیا ہے۔ اب اس سچے کار و دوح مسلمانوں سے اٹھ گیا ہے۔ مگر ایک زمانہ میں جب کہ قرآن سے مسلمانوں کا شعفت بہت بڑھا ہوا تھا قرآنی آیات اور قرآنی الفاظ کثرت زبانوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور عام طور پر بول چال میں استعمال ہوتے تھے۔ بعض برہمنوں کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ آیات قرآن ہی میں بول چال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن المبارک نے خود اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ جو ایک ضعیفہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سفر حج سے واپسی پر ایک سن رسیدہ خاتون سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا۔ سَلَامٌ قَوْلًا وَمِنْ ذَاتِ دَجِیْمٍ۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابن المبارک۔ آپ کس شغل میں ہیں؟

ضعیفہ۔ وَمِنْ يَضْلِلُ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ (اعراف) یعنی جس کو اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لئے کوئی رہبر نہیں رہا مطلب یہ تھا کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔

ابن المبارک۔ آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتی ہیں؟

ضعیفہ۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْأَلُ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ

الْأَقْصَى (بنی اسرائیل) یعنی پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا (اس سے معلوم ہوا کہ وہ حج سے فارغ ہو کر بیت المقدس جانا چاہتی تھیں)

ابن المبارک - آپ یہاں کتنے روزے مقیم ہیں؟

ضعیفہ - ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا (مریم) یعنی مسلسل تین راتیں گزر گئی ہیں۔

ابن المبارک - میں آپ کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دیکھتا؟

ضعیفہ - هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِيْنِي - (شرار) یعنی خدا ہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

ابن المبارک - اس جنگل میں وضو کیسے کرتی ہوں گی؟

ضعیفہ - فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ أَمَاءَ فَبِمَا مَوَاصِعِدًا طَيِّبًا (مائدہ) یعنی حکم ہے کہ اگر پانی نہ

ملے تو مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

ابن المبارک - میرے پاس کھانا ہے۔ آپ نوش فرمائیں گی؟

ضعیفہ - ثُمَّ أَثْمَرُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ - (بقرہ) یعنی روزوں کو رات آنے تک پورا کرو۔

(مطلب یہ تھا کہ میں روزے سے ہوں)۔

ابن المبارک - مگر یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے

ضعیفہ - وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرٌ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ - (بقرہ) مطلب یہ تھا کہ یہ نفل روزہ

ہے۔ رضا کا روزہ رکھا گیا ہے۔

ابن المبارک - سفر میں تو اللہ نے انظار کی اجازت دی ہے۔ پھر آپ روزے کی تکلیف کیوں اٹھاتی

ہیں؟

ضعیفہ - وَإِنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ - (بقرہ) اگر تم سمجھ سکو تو تو صوم

ہو جائے کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے اچھا ہے۔

ابن المبارک - میں جس طرح بات کرتا ہوں اس طرح آپ کیوں نہیں کرتیں؟

ضعیفہ - مَا يُلْهِيْكَ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (زق) آدمی کی زبان سے جو

لفظ بھی نکلتا ہے اس کی جگہ فرشتہ تیار بیٹھتا ہے۔

ابن المبارک۔ آپ کس قبیلے سے ہیں؟

ضعیفہ۔ لَا تَقُومُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَ مُسَوِّدِ الرَّسْلِ اِجْمَاعًا۔ اِس بات کا مجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ کان، آنکھ، دل سب سے سوال کیا جائے گا۔

ابن المبارک معاف فرمائیے۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی کہ ایسا سوال کیا۔

ضعیفہ۔ لَا تَنْزِيْبَ عَلَيْكُمْ اَيُّوْمَ۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ رِيسَتَ اب تَم بِرُكْحٍ سَرِزَنَشْ
نہیں اللہ تمہیں معاف کرے۔

ابن المبارک۔ آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنی اونٹنی پر بٹھا دوں تاکہ تافلہ سے جاویں۔

ضعیفہ۔ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ حَيْثُ يَعْلَمُ اللّٰهُ۔ (البقرہ) تم جو نیکی بھی کرو گے اللہ اس کو دیتا ہے۔
چنانچہ وہ ضعیفہ سوار ہو گئیں اور یہ آیت تلاوت کی: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (زخرف)۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں بند آواز سے اشعار پڑھ کر اونٹ کو دوڑانے لگا تو اس ضعیفہ نے مجھ کو تنبیہ فرمائی فَاقْوُوا مَا تَلَسَّسْتُمْ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (مزل) جہاں تک ہو سکے
قرآن پڑھو۔

آخر ہم چلتے چلتے تافلہ سے ہلے میں نے پوچھا آپ کے رشتہ دار کون کون ہیں؟

ضعیفہ۔ اَلْمَلَاُ وَابْنُوْنَ زَيْنَةُ الْحَبِيْبَةِ الدُّنْيَا۔ (کہف) اس سے معلوم ہوا کہ تافلہ
میں ان کا سامان اور ان کے بیٹے ہیں۔

ابن المبارک۔ آپ کے بیٹے کیا کام کرتے ہیں؟

ضعیفہ۔ وَعَلَّمْتُمْ دَانَ رَحْلٍ، مطلب یہ کہ قافلہ والوں کے

رہبر ہیں۔

ابن المبارک۔ ان کے نام بتائیے۔

ضعیفہ۔ وَاتَّخَذَ آلَهُ ابْرَاهِيمَ خَلِيلًا۔ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا۔ يَا
يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔

حضرت ابن المبارکؒ سمجھ گئے کہ ان کے بیٹے ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ نامی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے
قافلہ میں ان لوگوں کے نام لے کر پکارا اور وہ اپنی ماں کے گرد جمع ہو گئے۔ ماں نے بیٹوں کو خطاب کیے کہا۔
فَاتَّخَذُوا أَحَدُكُمْ بَوًّا وَتَكَلَّمُوا هُنَا ۖ رَاٰی تم اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دیکر شہر کی طرف بھجوا کر دیکھ
الْمَدِينَةَ فَلْيَنْظُرْ آيُنَا أَرَأَيْتَ طَعَامًا کس کے ہاں اچھا کھانا ہے۔ اور اس سے کھانے
فَلْيَأْكُلْ تَكَلَّمُوا يَوْمَ ذِي قُنَّةٍ۔ (کیف) آئے۔

اس حکم کے مطابق ایک راکب بستی میں گیا اور کھانے آیا۔ ابن المبارکؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے
کہا کہ کھانا کھانے سے پہلے مجھ کو ان اعجازِ روزگارِ ضعیفہ کے حالات بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری
ماں ہیں۔ چالیس برس ہو چکے ہیں کہ انہوں نے ہجرِ آیات کلام اللہ کے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں
نکالا ہے۔ جو کچھ گفتگو کرتی ہیں۔ قرآن ہی سے کرتی ہیں۔ پس کہ میں ششدر رہ گیا۔ اور یہ کہتا ہوا انکے
خیوں سے واپس ہوا کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

آج دنیا میں سینکڑوں ہزار دلِ علما اور حفاظِ قرآن موجود ہیں۔ مگر کلام اللہ پر اتنے عبور کی
مثال شاید ہی کہیں مل سکے۔

بہر حال اصل آیت یوں ہے :-

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ
 مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْجَارٌ مَطَهَّرَةٌ
 وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورہ بقرہ آیت ۲۱-۲۲)

لے پیغمبر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے بہشت ہے جس میں جن کے لئے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی۔ جب ان کو ان میں کا کوئی میوہ کھا نیکو دیا جائیگا تو کہیں گے تو ہم پہلے بھی کھانے کے لئے مل چکے ہیں اور یہ اس لئے کہیں گے کہ انکو ایک ہی صورت و شکل کے میوے ملائیں گے اور وہاں انکے لئے بڑیاں ہوں گی پاک و صاف اور وہ ان دماغوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

(۲۱)

اس آیت میں کئی باتیں قابل تفتیح ہیں۔

الف۔ جنت (باغ) سے کیا مراد ہے ؟

ب۔ هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (یہ تو وہی) جو ہمیں پہلے نصیب ہو چکا ہے، سے کیا مراد ہے ؟

ج۔ اُولَئِكَ لَهُمْ مُتَشَابِهًا (یہ ان کو یکساں دیا جائیگا) سے کیا مراد ہے ؟

د۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے) سے کیا مراد ہے ؟

الف۔ تمام مفسرین نے جنت سے بہشت مراد لی ہے حتیٰ کہ سید احمد خاں نے بھی اسی کو صحیح مان

کر آیت کے مفہوم کو واقعات بعد الموت سے دالبتہ کیا ہے۔ یعنی نیک کردار ایمان والوں کو یہ نعمتیں

ملے یہ ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم سے ماخوذ ہے۔ مولوی صاحب نے جنت کا ترجمہ باغ کیا ہے مگر اس کے ساتھ بہشت کا لفظ بھی اضافہ کر دیا ہے آیت میں میوہ کھانے کا کچھ تذکرہ نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی لفظ وارد نہیں ہے۔ لیکن مطلب بچانے کے لئے جناب موصوف نے اس کو بڑھا دیا ہے۔ خلدن کا ترجمہ بعض لطف کلام کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کیا ہے حالانکہ ہر ترجمہ اگر ہو سکتا ہے تو خلدن و ن ابدال کا ہو سکتا ہے۔

جیتے جی نہیں گی مرنے کے بعد میں گی خاتمہ آیت (رَہْمٌ فِیْہَا خَلِیْلٌ ذُوْنَ) سے یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا کیوں کہ نگاہِ فرغود کے معنی ہمیشگی کے ہیں اور دنیا کی زندگی میں کوئی ایسی نعمت موجود نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے جس کے لئے ہمیشگی و بقائے دوام ممکن ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا کے نفضل سے جن کو بہشت ملے گی وہ ہمیشہ پر لطف زندگی بسر کریں گے اور جو نعمتیں انہیں ملیں گی وہ سب دوامی ہوں گی البتہ سید صاحب نے اتنی بات بڑھائی ہے کہ بہشت اور اس کی نعمتوں کی حقیقت و ماہیت کچھ اور ہے۔ ان کی رائے بہشت اور اس کی نعمتوں کے بیان کرنے سے ”صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا۔ نہ واقعی ان دونوں چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا“ اس لئے کہ ”یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے۔ اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے بڑاؤ محل ہیں۔ باغ میں سرسبز شاہد اب درخت ہیں۔ دودھ اور شراب دشہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے ساقی اور ساقین نہایت خوبصورت پانڈی کے لنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں شراب پلا رہی ہیں۔ ایک منبتی ایک حور کے گلے میں ہات ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھر رہا ہے۔ ایک چھاتی سے لیٹا رہا ہے ایک نے لب جان بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے میں۔ کچھ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔“

ب۔ هٰذِ الَّذِیْ رَزَقْنٰمِنْ قَبْلِکِیْ تَاوِیْلٌ مِّنْ سَبِّیْہِیْ لَکَہَاہِ۔ کہ حب کسی کو نیا پھل کھانے کو دیا جائے جو اس نے کبھی نہ دیکھا ہو تو اس کے کھانے سے رکنا ہے کہ نہیں معلوم کیا ہے۔ جنتیوں کو جو ایک ہی صورت کے پھل ملیں گے تو وہ ان کے کھانے میں تاویل نہیں کر

سکتے۔ جہنتے ہیں کہ ایسا تو ہم پہلے بھی کھا چکے ہیں۔ ہاں شاید صورت کے دھوکے میں اگر چنداں لالچ بھی نہ آئے کہ جلو اچو ایکبار رنجور دندلبں۔ تو پھکنے کے بعد دوسرا ذائقہ ملے گا۔ اور ان کے دل زیادہ خوش ہوں گے کہ خلافت تو قعر مزہ ملا یہ تو جسمانیّت اور مادیت کی باتیں ہوئیں۔ لیکن امام رازی کی رائے میں ان تمام باتوں کا تعلق روحانیت سے ہے جسمانیّت کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔

فے الایة قول ثالث علی لسان اهل
المعرفة دهر ان کمال السعادة ليس
الا في المعرفة ذات الله تعالى ر
معرفة صفاته ومعرفة افعاله من
الملائكة والكروية والملائكة الروحانية
وطبقات الارواح وعالم السموات
وبالجملة يجب ان يصير روح الانسان
كالمرآة المعازية العالم القدس ثم
ان هذه المعارف تحصل في الدنيا
ولا يحصل بها کمال الا لتذاذوا بجهل
لما ان العلائق البدنية تعوق عن
ظهور تلك السعادة فاذا ازال لهذا
العائق حصلت السعادة العظيمة و
الغیطة الكبرى۔ فلحاصل ان کل
سعادة روحانية يجدها الانسان

آیت میں اہل معرفت کی زبان سے ایک تیسری بات بھی
مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کمال نعمت اور سعادت
صرف خدا کی ذات و صفات و افعال کے پسچاننے
میں ہے کہ کہ وہ بیان عالم بالا و فرشتگان روحانی و
طبقات ارواح و عالم سموات کے متعلق انسان کو
شنا سانی حاصل ہو۔ اور لازم ہے کہ اس کی روح ایک
ایسے آئینہ کے حامل ہو جائے۔ جو عالم قدس کے
ٹھیک سامنے ہو۔ یہ معرفت دنیا میں بھی حاصل ہوتی
ہے لیکن اس میں پوری لذت اور کافی خوشی نہیں
ہوتی اس لئے کہ جسمانی تعلقات اس لذت و
سعادت کے ظاہر ہونے میں سبک راہ بن جاتے
میں اور اگر یہ روک اٹھ جائے تو اصلی حقیقی لطفت
حاصل ہو۔ حاصل یہ ہے کہ جو روحانی نعمتیں اور
لذتیں انسان کو مرنے کے بعد حاصل ہوں گی تو وہ
کیسے گا کہ یہ وہی نعمتیں ہیں جو دنیا میں بھی حاصل

بعد الموت فانہ يقولُ ہذا ہی التي كانت حاصلة
 فی الدنیا الا انہا فی الدنیا ما نادت اللہ و
 البھجة والسرور و فی الآخرة انا دت ہذا
 الاشیاء لزوال العائق ۛ

ج۔ واد تو ابہ مُتَشَابِہًا کے معنی تو یہی لئے گئے ہیں کہ اہل جنت کو جو میوے میں گے
 وہ سب کے سب شکل و صورت میں یکساں ہوں گے اور دنیا کے میووں سے ان کی شکلیں ملتی جلتی
 ہوں گی۔ لیکن حسن بن الحسن البصری وقتاً وہ ابن جریر سے متعدد حدیثیں اس مفہوم کی بھی روایت
 کی گئی ہیں کہ بہشت کے میوؤں کا ہر ایک حصہ اور ہر ایک جزو دوسرے جزو کے متشابہ (مقابلہ) ہوگا۔
 یعنی جنت کے میوے چھلکے سے لے کر مغز تک بے داغ و بے عیب ہوں گے دنیاوی میووں کی
 سی کیفیت نہ ہوگی کہ میوے کا کچھ حصہ تو اچھا ہو تب بے اور کچھ ناقص رہتا ہے۔ فاضل بیضاوی نے اس
 جہان فی کیفیت کو بھی روحانیت پر محمول کیا ہے لکھتے ہیں:-

ان للآیة الْکَرِیْمَةِ عَمَلًا خَرَدُوْا ان
 مسبلّات اهل الجنة فی مقابلة ما
 رَزَقُوْا فی الدنیا من المعاد والطاقات
 متفادۃ فی الدّٰۃ بحسب تفاوتها
 یتحصل ان یکون المراد من هٰذَا الَّذِیْ
 رَزَقْنَا اَنْتَ ثوابہ ومن تشابہما تاملہما
 فی الشّرک والمزیة وعلو الطبقة یتکون
 آیت کریمہ کا ایک اور مطلب بھی ہے۔ اور وہ
 یہ ہے کہ معرفت و عبادت کے نعمت میں جو مزے
 دنیا میں حاصل تھے ان کے مقابلہ میں بہشت کے
 مزدوں اور لذتوں میں فرق ہوگا ہو سکتا ہے کہ آیت
 "یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے نصیب ہو چکا ہے" سے
 مراد دنیاوی عبادت و معرفت کا ثواب ہو یعنی جو
 لذت دنیا میں خدا کی عبادت و معرفت میں ملتی تھی

هَذَا فِي الْوَعْدِ نَظِيرُ قَوْلِهِ ذُقُوا بہشت کی لذت اس سے بڑھ کر ہوگی، اور ان کو
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ فی الوعد ہے میوہ یکساں دیا جائے گا میں یکساں ہونا مقصود ہو۔
اس صورت میں یہ وعدہ اس وعید کی نظیر ہوگا۔ جس میں دہکی دی گئی ہے کہ اب اپنے کئے کو چکھو
اور خطیب شربینی بھی اس قول میں قاضی بیضاوی کے ہم زبان ہیں۔ ۱۷
وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ کا مطلب بالاتفاق یہی بیان کیا گیا ہے کہ اہل بہشت کی ہمیشہ انہیں
نعمتوں میں بسر ہوگی اور اس حالت میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہونے پائے گا۔

(۳)

اس باب میں تحقیقات کا دائرہ صرف پہلی اور آخری تنقیح تک وسیع ہے جس کے ضمن میں آیت
کا مفہوم و مدعا بھی واضح ہو جائے گا۔ پہلی تنقیح کا انحصار لفظ جنت کی تشریح پر ہے۔ اور دوسری تنقیح
میں ہم فیہا خالدون پر بحث ہوگی۔

لغت میں جنت کے معنی اس باغ کے ہیں جس کے درخت گھنیرے ہوں شاخ در شاخ وچ در وچ
ہوں اور آپس میں لپٹے نظر آئیں۔ اصطلاح میں جنت کو صرف باغِ آخرت سے مخصوص سمجھ لیا گیا ہے اور
اصل میں حقیقی جنت وہی ہے بھی لیکن کلام اللہ نے آخرت کے باغوں کو بھی جنت کہلے اور دنیاوی باغوں
کے لئے بھی جنت ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورہ النعام میں ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُودَاتٍ شَاةٍ اور وہی رقا در مطلق ہے جس نے باغ پیدا کئے
وَأُخْرَىٰ مَّعْرُودَاتٍ وَلَظْلٍ وَالرَّوْعِ (بعض تو ٹیٹیوں پر، چڑھائے ہوئے جیسے
مُخْتَلِفًا كُلًّا وَالرَّيْتُونَ وَالرَّمَانَ انگوڑ کی بیلین، اور بعض نہیں چڑھائے ہوئے
مَتَشَابِهًا وَغَيْرُ مُتَشَابِهٍ۔ كُلُّوا مِنْ اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف

ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوْا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ - (سورۃ الانعام - رکوع ۱۷ - آیت ۱۴۲)

رقموں کے ہونے ہیں۔ اور زمین و انار کے بعض تو صورت و شکل و مزہ ہیں، ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض نہیں بھی ملتے جلتے (لوگو!) یہ سب چیزیں جب پھلیں تو

ان کے پھل بے تامل کھا دو اور ان نعمتوں کے شکر یہ ہیں، ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن حق اللہ (یعنی زکوٰۃ ان میں سے) دے دیا کرو۔ اور فضول خرچی نہ کر دیکو نیکہ فضول خرچی کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا۔

ایک اور مقام پر ہے :-

رَہُو الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَآخَرَجْنَا بِهٖ نَبَاتٍ کُلِّ شَیْءٍ فَآخَرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نَّخُوْجُ مِنْهُ حَبًا مِّثْرًا کِبًا۔ وَمِنْ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَّةٌ وَحِنَاطٌ مِنْ اَعْنَابٍ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اَنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِہٖۤ اِذَا اُثْمِرَ وَ یَنْبَغِہٖۤ اِنْ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

اور وہی (قادر مطلق) ہے جس نے پانی اتارا پھر اس کے بعد ہم رہی، نے اس سے ہر قسم کی روئیدگی کے کوٹے نکالے پھر کویلوں سے ہم نے ہری بھری ٹنیاں نکال کھڑی کیں کہ ان سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں گچھے جو رے بوجھ کے بھکے پڑتے ہیں اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار (ظاہر ہیں ایک دوسرے سے) ملتے جلتے اور (مزے کے اعتبار) سے ملتے جلتے نہیں (لوگو!) ان میں سے ہر ایک چیز جپ کہتی ہے تو اس

(سورۃ ۷۷ - آیت ۹۹ رکوع ۱۲)

کا پھل اور پھل کا پلٹا (قابل دید ہے)۔ اور اس کو نظر غور سے دیکھو بیشک جو لوگ (خدا پر ایمان

رکھتے ہیں ان کے لئے ان (سب چیزوں) میں (قدرت خدا کی بہتری) لٹا نیاں (موجود) ہیں۔

سورہ یس میں ہے۔

وَاٰیۃُ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمِیۡتَةُ اَحۡیَیۡنَا
ہَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنْہَا حَیًۡٔا فَمِنْہُ یَاۡکُوۡنُ
وَجَعَلۡنَا فِیۡہَا جَنۡتٍ مِّنۡ تَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ
وَّاَخۡزَنَّا مِیۡنَ الْعِیۡوُنِ لِیۡنَا کُلُوۡا مِنْ
کُمۡرَہٗ وَّمَا عَمِلۡتُمۡۤ اَیۡدِیۡہِمْ
اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ - سورہ ۲۶ - رکوع ۳

اور ان (لوگوں) کے (بجھنے کے) لئے ہماری
ر قدرت، کی ایک نشانی مری ہوئی (یعنی پڑتی
پڑی ہوئی) (زمین ہے کہ ہم نے اس کو پانی
برسا کر) جلا اٹھایا اور اس سے اناج نکالا
اسی میں سے یہ (لوگ بھی اپنی قسمت کا) کھاتے
ہیں۔ اور زمین میں ہم نے کھجوروں کے اور

انگوروں کے باغ لگائے اور ان میں پانی

آیت ۲۵ و ۲۶

کے) چشمے بہائے تاکہ باغ کے پھولوں میں سے یہ (لوگ اپنی قسمت کا) کھائیں اور (معلوم ہے
کہ) یہ (پھل) ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں۔ تو کیا یہ (لوگ اس نعمت کا) شکر نہیں کرتے
سورہ قی میں ہے:-

وَاَنۡزَلۡنَا مِیۡنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَادٍ
فَاَنۡکَبۡنَا بِہٖ حَنَآئِیۡ وَحَبَّ الْحَصِیۡدِ
وَالنَّخۡلُ بِاِسۡتِۡقَاتِہَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ
رِّسۡرَآۃٌ لِّلۡعِبَادِ - وَاَحۡیَیۡنَا بِہٖ بَلَدًا
مِّیۡتًا کَذٰلِکَ الْخُرُوجِ - (سورہ ۵۰ رکوع
آیت ۶)

اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اُتار دیا
بندوں کو روزی دینے کے لئے اس (پانی) کے ذریعہ
باغ اُگلے اور کھیتی کا اناج اور لانی لانی کھجور
جن کی گیلیں خوب گتھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور (نیز)
ہم نے مینہ کے ذریعہ سے مری ہوئی (یعنی پڑتی پڑی
ہوئی) اُبتی کو جلا اٹھایا۔ اسی طرح (لوگوں کو) نکلتا ہوا۔

سورہ نوح میں ہے۔

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا -
يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا
يُمِدُّكُمْ بِاَمْوَالٍ ذٰبِيَةٍ وَيَجْعَلُ
لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ اَنْهَارًا -

گناہوں کی اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ
بڑا بخشنے والا ہے۔ تم پر موسلا دھار مینبر برائے گا۔ اور
مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے
لئے نہریں بنائے گا۔

(سورہ الرکوع اول - آیت ۵)

سورہ مؤمنون میں ہے :-

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّقَدْ سِرًا
فَاَنْسَقَيْنَا لَهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى
زَهَابٍ بِهٖ لَفَادُّونَ نَاُنْشَاُ نَا
لَكُمْ بِهٖ جَنَّاتٍ مِّنْ تَحْتِهَا اَنْهَارٌ
لَّكُمْ فِيْهَا فَاوَاكِهٌ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ (سورہ ۲۳ - رکوع اطل آیت ۸ و ۹)

ہم نے ایک انداز کے ساتھ آسمان کی پانی برسیا
پھر اس کو زمین میں (جمع کر کے) ٹھیر لے رکھا۔ اور ہم
اس پانی کے (اڑا لے جانے پر بھی) تادیں پھر
اس پانی کے ذریعہ سے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں
اور انگوروں کے بلوغ بنا کھڑے کئے تمہارے لئے ان
میں سے بہت سی میوے پیدا ہوتے ہیں اور ان میں
سے (بعض کو) تم کھاتے (بھی) ہو۔

سورہ شعرا میں ہے :-

نَاَخْرِجُنَاھُمْ مِنْ جَنَّتٍ وَّاعْمُوْنَ وَا
لَنُوْزِلَنَّ عَلَیْہُمْ مِّنْ سَمٍّ (سورہ ۲۹ - رکوع ۴ تیر ۴۱)

غرض ہم نے (زرغون اور اس کی قوم کو) باغوں اور چشموں
لے اور غزالوں (سے) اور عزت کی جگہ (سے) نکال کر باہر کیا۔

سورہ دخان میں ہے :-

کَمْ تَوَكَّرُوْا مِنْ جَنَّتٍ وَّاعْمُوْنَ وَاَنْتُمْ
وَمَعَابِرِ کَرِيْمٍ وَنِعْمَةِ کَاُنُوْا

یہ لوگ کتنے ہی باغ اور کتنے ہی (نہریں اور کتنے ہی
کھیتیاں) (اور کتنے ہی) عمدہ عمدہ مکانات رکھتے ہی

بَيْنَهُمَا نَارٌ مُّهِينٌ۔ کُنَّا لَكَ وَادٌّ مُّثْنِيًّا
 قَوْمًا اٰخِرِيْنَ غَمًّا بَلَّغْتَ عَلَيْهِمُ السَّمَاءَ
 وَالْاَرْضَ وَمَا كَانُوْا مُنْتَظِرِيْنَ۔ (سورہ ۴۴)
 رکوع ۱، آیت ۱۳ (۴۴)
 آرام و آسائش کے، سامان چھوڑ کر جس میں مرنے لڑایا
 کرتے تھے (واقع میں، ایسا ہی رہوا، اور ہم نے دوسرے
 لوگوں کو اس ر تمام ساز و سامان کا وارث بنا دیا
 تو ان لوگوں پر آسمان و زمین رکھی، کو (میں تو) رقت
 نہ آئی اور نہ ان کو توبہ و ندامت ہی کی بہلت ملی۔

سورہ نبی اسرائیل میں ہے:-

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تُفْعِلَ لَنَا
 مِّنَ الْاَرْضِ يَنْبُوعًا اَوْ تَكُوْنُ لَكَ
 جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَحَنَبٍ فَنُفِخَ الْاَنفُسُ
 خِلَافًا لِّهَا لَنُفِخَ لَهَا (سورہ ۱۰، رکوع ۱۰، آیت ۹۲)
 اور انہوں نے کہا کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان
 لانے والے نہیں کہ (یا تو ہمارے لئے زمین سے کوئی
 چشمہ رہا، نکالو یا کھجوروں اور انگوروں کا مہارا
 کوئی باغ ہو اور اس کے بیج بیج میں تم رہت سی
 نہریں جاری کر دکھاؤ۔

سورہ فرقان میں ہے:-

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْتِيْهِ الْحَيٰ
 فِي الْاَسْوَانِ لَوْلَا اَنْزَلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنُ
 مَعَهُ نَذِيْرًا وَيُلْقٰى اِلَيْهِ الْكُتُبُ اَوْ تَكُوْنُ
 لَهٗ جَنَّةٌ يَّا كُلُّ طٰغُوْتٍ اِنَّ
 تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (سورہ ۲۵، رکوع
 ۱، آیت ۱۰)
 اور انہوں نے (یعنی کافروں نے) کہا کہ یہ کیسا پیغمبر ہے
 کہ کھانا کھاتا اور باز امداد میں پھرتا ہے اس کے پاس
 کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا کہ اس کے ساتھ ہو کر وہ بھی
 لوگوں کو عذاب خلا سے ڈرانا۔ یا اس پر کوئی خزائن و اعلیٰ
 ہوتا دیا نہ زیادہ نہیں تو اس کے پاس ایک بلغ (رہی)
 ہوتا کہ اس سے کھاتا رہتا، اور یہ ظالم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم بس ایسے آدمی کے پیچھے ہو لئے
 جس پر کسی نے حاد و کر دیا ہے۔

سورہ کہف میں ہے :-

وَاصْرُفْ لَهُمْ مُلْكًا رَّجَلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا
جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ رَكْنَا الْجُنَيْنِ
أَتَتْهُمَا وَدَخَلَ جَنَّتُهُ
وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَكَوْلا
إِذْ دَخَلَتْ جَنَّاتُكَ ثَمَرَاتُهَا شَاءَ اللَّهُ
لَا تَوَدُّ إِلَّا بِاللَّهِ فَعَسَىٰ رَبِّي
أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِنْ جَنَّتِكَ
..... سورہ ۱۸ رکوع ۵ آیت ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸

اور ان لوگوں سے ان دو شخصوں کی مثال بیا کر جو جن
میں سے ایک کو ہم نے درباغ دے رکھے تھے
دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے وہ باغ میں ایسی
حالت میں اخل ہوا کہ اپنے نفس پر آپ ہی ظلم کر رہا تھا
... اور جب تو اپنے باغ میں آیا تو تو نے (یوں) کہیں نہ
کہا کہ یہ (سب) تو خدا کے چاہے تے ہوا ہے ورنہ
مجھ میں تو بے مدد خدا کچھ بھی طاقت نہیں تو
عجب نہیں میرا پروردگار تیرے باغ سے بھی بہتر
باغ مجھ کو عطا فرمائے۔

سورہ سبأ میں ہے :-

كَهَذَا كَانَ لِسَابِغٍ فِي مَسْكِهِمْ آيَةً جَنَّتَانِ
عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ وَبَدَّ لَنَا هُم
يَجْنَتِيَهُمُ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ أَكْمَلٍ
خَمْطٍ وَأَثَلٍ وَشَعْنٍ مِنْ سِدْرٍ
قَلِيلٍ - (سورہ ۳۴ - رکوع ۳ - آیت ۱۳ و ۱۴)

تو مہربان کے لئے ان کے (اپنے ہی) گھر میں (قدرت
خدا کی، البتہ ایک بڑی) نشانی (موجود تھی)۔ وہ اپنے
ہات اور ہاتھیں ہات دو دو باغ تھے اور
ہم نے ان کے دو باغوں کے پھل میں دو باغ (تو)
فیض مگر ایسے کہ ان کے پھل بد مزہ تھے اور ان کو کچھ حجاب
تھا اور تدقیل پیری۔

باغ بہشت کے حق ہونے میں کلام نہیں جس کا وعدہ موت کے بعد ہے یہاں کہنے کی بات
صرف اتنی ہی ہے کہ ان آیتوں میں جنت سے مراد باغِ دنیا ہے۔ اور اگر اسی ضمن میں وہ آیتیں

بھی شامل کر لی جائیں جن میں حضرت آدم و حوا (علیہما السلام) کے جنت میں داخل ہونے اور نکلنے کا تذکرہ ہے تو نظریوں کا شمار نہایت وسیع ہو جاتا ہے اس لئے کہ بعض نامور محققین نے حضرت آدم کی جنت کو بھی باغِ دنیا قرار دیا ہے۔ اس معنی کے تسلیم کرنے پر خدا کے مطیع بندوں (مسلمانوں) کو آیت مذکورہ بالا میں جس جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ ایمانداروں کو دینیک کے دار ہونے کی شرط پر دنیا میں بھی انہیں مل سکتی ہے اور اگر چاہیں تو پچھے مسلمان بن کر اسی دنیا میں اپنے آپ کو بہشت کا مستحق بنا سکتے ہیں جس کے بعد بشرطِ ایمان عملِ صالح اُس بہشت موعود (جنتِ آخرت) کے ملنے میں کیا کلام ہے ۷

من کہ در کعبۂ حق منزلِ وادی دارم گردہ بجائے بفرودس بر نیم چہ شود
لیکن جہاں "اُدی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا" کی دشواریاں درپیش ہوں وہاں کیا یہ ممکن ہے
کہ یٰٰلَیْہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَدَسُوْلِہِ۔ (اے ایمان والو! اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ)
کا خطاب دائرہ عمل میں آجائے گا اور مسلمان بھی کسی دن مسلمان بن جائیں گے ۷
خوہم از زلفِ بتاں نافہ کشائی کردن فکر دور است ہما کہ خطائے نیم

(۴)

دوسری تفسیر (رُحْمُہُمْ فِیْہَا خَالِدُوْنَ)۔ یعنی اہل جنت ہمیشہ اُسی میں رہیں گے، میں غلو دہمیشگی، پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ آیت میں جنت سے اگر جنت دنیا مراد ہوتی تو اس میں ہمیشگی کی شرط کیوں کی جاتی۔ دنیا تو خود مایہ پیدار ہے پھر اس کی نعمتیں کیونکر پائیدار ہو سکتی ہیں لیکن اصل میں یہ ایک طرح کی غلط فہمی ہے غلو کے معنی بقائے دوام کے نہیں ہیں۔ بقائے طویل کے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں۔

قال اصحابنا الخلد ہوا الثبات الطویل ہمارے علماء کہتے ہیں کہ غلو دہمیشگی کے معنی دہر

سواء دام اولم یدم
واحتموافیه بالایتہ والعرف
أَمَّا الْآيَةُ فَقَوْلُهُ تَعَالَى خُلِدَ يَنْ
فِيهَا أَبَدًا وَكَوْكَانَ التَّابِيدَ دَاخِلًا فِي
مَفْهُومِ الْخُلْدِ لَكَانَ ذَلِكَ تَكَرُّرًا -
واما العرف فيقال حبس فلان فلا نا
حبسًا مَحْدَدًا اِرْكَانُهُ يَكْتَبُ فِي صُكُوكِ
الْاَوْقَاتِ وَقَفَ فُلَانٌ وَقَفًا مَحْدَدًا
تاضی میضادی لکھتے ہیں۔

تک پائیدار رہنا ہے چاہے ہمیشہ ہمیشہ رہے یا نہ رہے اس باب میں
قرآن و محاورہ عرب کی دلیل لاتے ہیں قرآن کی دلیل تو یہ ہے
کہ بہشت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ لہذا وہ دام معنی
اگر ہمیشگی کے مفہوم ہوتے تو دوبارہ ہمیشہ ہمیشہ کہنا کیا
ضرورت تھا۔ محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کمرہ
کے لئے بند رکھا ہے اور وقف نامول میں لکھتے ہیں۔ فلاں
شخص نے ہمیشہ کے لئے مالک اور وقف کی ہے مالک کو دنیا
اور اس کا کوئی چیز بھی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے

المخلد والخلود في الاصل الثبات المديد
دام اولم يدم بولذلك قيل للاثاني والاحجار
حوالہ والمجزء الذي يبقى من الانسان
على حاله ما دام حيًا خلد..... بخلات
ماله ووضع الاعم منه فاستعمل فيه
بذلك الاعتبار كاطلاق الجسم على الانسان
مثل قوله تعالى "وَمَا جَعَلْنَا لِرَجُلٍ
مِنْ كِبَالِكَ الْخُلْدَ" -
خلد اور خلود اصل میں دیر تک ثابت رہنے کو کہتے ہیں
چاہے یہ کیفیت دوامی ہو یا نہ ہو۔ اسی لئے چمچے اور پتھر
کو بھی خوالد ہمیشہ رہنے والے کہتے ہیں۔ اور انسان کے
جسم کا وہ جز جو بجائے خود باقی رہتا ہے اسے بھی خلد کہا جاتا
ہے..... لیکن جہاں کہیں عام ترین معنی کے لئے
یہ لفظ رکھا گیا ہو وہاں اسی اعتبار سے استعمال بھی
ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت ہم نے تجھ سے پہلے کسی شخص کے لئے
ہمیشگی نہیں بنائی ہے۔

۱۰ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۳۵

۱۱ انوار تنزیل و اسرار التاویل لقا فی البیضا دی ر علی ہاشم السراج المنیر جلد ۱ صفحہ ۹۳۔

تظام میثا پوری نے لفظ خلد کے معنی بقائے دوام کے ہونے کے متعلق یہ بھی تشریح کی ہے کہ صرف معترض نے خلد خلود کے معنی بقائے دوام کے لئے ہیں ورنہ اشعارہ ال سنت کا اتفاق ہے کہ اس معنی دیر تک ثابت رہنے کے ہیں ہیں ہم اس ضمن میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ خلود کے معنی بقائے دوام نہ بھی مگر دراصل جنت میں بقائے دوام ہی ہو گا اس تاویل کی ضرورت یعنی کہ جس کو بہشت نصیب ہوگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نصیب ہوگی لیکن سوال یہ ہے کہ حیث تکرار نے جنت کو باور دینا کیلئے بھی استعمال کیا ہے۔ اور خلود کے معنی بھی بقائے دوام کے نہیں ہیں تو پھر ان تاویلات کی کیا حاجت ہے؟ اور کیا خلود ہے کہ اس دنیاوی جنت کی نعمتوں کو بھی روحانی مانا جائے جہاں فنا جائے؟

اس میان توضیح کا نتیجہ یہ ہے:-

(الف) آیت میں مہذب و صالح مسلمانوں کو بشارت کی گئی ہے اور اس بشارت پہلے شرط کر دی گئی ہے کہ ان میں اسلامی تقویٰ و تہذیب (کہ حقیقت میں یہی ایک تہذیب ہی اور مثالگی و صلاحیت ہو، فردی ہے -
(ب) مدعا یہ بشارت یہ ہے کہ جو مسلمان صالح و نیک کردار اور شرفیافتہ اخلاق سے آراستہ ہوں گے خدا ان کو جنت اور اس کی نعمتیں عطا کرے گا۔

جہ یہ در در ترقی بہت دیر تک قائم رہے گا۔ اور اسی لحاظ سے اس کو خالد کہا جائے گا۔

(۵)

یہ تہذیب تھی۔ ناظرین اب اس کے بعد منشاء آیت ملاحظہ فرمائیں۔

آیت میں اسلامی رتق کے دھمکے کو ایمان و عمل صالح سے مشروط کیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایمان کے معنی کیا ہیں۔ ایمان یہ نہیں ہے کہ زبان تو لا الہ الا اللہ کہہ رہی ہو۔ اور دل میں ۵۰

صنمے در دل مایانف راہ سخن لالنبدا ۱۱۱۱۱۱۱۱

کے ناپاک جذبات مجھے بھربھوں کہنے کو اپنے تئیں مسلمان کہاجائے مگر اسلام کے احکام سے عمل کچھ علاقہ نہ ہو۔ کتابت و سنت رسول اللہ

ﷺ غائب القرآن در غائب الفرقان و نظام ایسا پوری اعلیٰ ہاش جامع البیان لابن جریر الطبری (جلد ۱ صفحہ ۱۹۹)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ رسم و رواج کو دیجائے اور مذہبی و قومی پیشوائی کی منزل جو پہلے قرآن کریم کو اور صرت قرآن کریم کو حاصل تھی اب علماء کے قیاسات و مفروضات کو عطا کی جائے۔ ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خدا کی خدائی کا متفق ہو۔ اور علم النفس میں یہ اثر ثابت ہو چکا ہے کہ اعتقاد وہی ہے جس کے آثار انسان کے کردار و گفتار سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا وہ ایمان اگر ایمان نہیں ہے جس میں بندے کے افعال خدا کے احکام سے پر واریں۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی الذین آمنوا اور وہ لوگ جو ایمان لائے کے الفاظ وارد ہیں ساتھ کے ساتھ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور انہوں نے نیک کام کئے، بھی موجود ہے۔ اور جن آیات میں آمن (ایمان لایا) کا تذکرہ ہے اسی کے بعد وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (اور نیک کام کیا) کی شرط بھی لگا دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری ایمان کافی نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ عمل بھی لازم ہے۔ سورہ نور میں ہے

وَأَقِمُوا بِالنَّدَى جَهْدًا يُبَارِئُهُمْ لَعْنُ
أَمْوَنُهُمْ لَعْنُ جَنِّ - تَلَّ لَا تُقْسِمُوا
مَعُودَةً إِنَّ اللَّهَ حَبِيرٌ بِنَا لَعْمُونَ۔
(سورہ ۲۴ - رکوع ۴، آیت ۸۲)

جو ایمان کا مدعی ہو اس کو دہانی طوعے نہ کرنے چاہئیں بلکہ عمل سے اپنی ایمان داری کا ثبوت دینا چاہئے،

سورہ حجرات میں ہے:-

إِنَّمَا اتَّخَذُوا مَنَظِرًا لِّئَلَّا يَتَذَكَّرُوا لَعْنُ
تَمَّ كَمَ يَزْتَابُوا جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ

ملے دیکھو سورہ رعد و شوریٰ مائدہ و فتح و ابراہیم و حج و یونس و بقرہ و طلاق و آل عمران و نساء و شعری و نور و سجدہ و حاشیہ۔

ملے سورہ بقرہ و مائدہ و کیف و دریم و طہ و قصص و سبار

هُمُ الصَّادِقُونَ۔ (سورہ ۴۹۔ رکوع ۲۔ آیت ۱۵) ہیں یعنی جن لوگوں میں یہ دونوں شرطیں موجود ہوں ان کا ایمان تو سچا ہے اور جو ایسے نہ ہوں وہ جھوٹے بے ایمان ہیں۔

یہ معیار ایمان اگر صحیح ہے۔ اور ضرور صحیح ہے۔ تو ہم میں کتنے ہیں جو ایمان دار کہے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہوتے تو کیا یہ نہ دیکھتے کہ مسلمان کس روز میں گرفتار ہیں اسلامی دنیا پر مسلمان کیوں کر غالب آتے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک بزرگ عالم میں مسلمانوں کی کیا گت بن رہی ہے جہالت کی ہم کو شکایت ہے لیکن اس عمارت کی بنیاد خود ہمارے ہاتھوں سے پڑی ہے۔ قوی تنزل کا گلاب ہے مگر اس طوق کو ہمارے اعمال ہی نے گلوگیر بنا یا ہے۔ ترقی کی خواہش ہے لیکن ایمان کا دل میں نشان تک نہیں۔ عزت و سربلندی کی تمنا ہے مگر عمل صالح سے بے پردہ ہیں۔ گھر کی بغاوت ہے تو سود خواروں کے لئے وقف ہے۔ ذاتی آمدنی ہے تو بے اصول کاموں میں مرت ہو رہی ہے۔ وقت ہے تو رائیگاں جا رہا ہے نہ داغ کی کسی طرح کی تربیت کی جاتی ہے۔ نہ داغی و ذہنی تو تلوں کے نشوونما کے لئے تعلیم دی جاتی ہے۔ نہ قوم کی فلاح مطلوب ہے۔ نہ اخلاق درست ہیں۔ نہ درست کرنے کی فکر ہے۔ اور پھر ان بے اصولیوں کے ہوتے ہوئے ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلام کے جو لوازم ہیں یعنی ترقی و سربلندی ان کے خواہاں ہوتے ہیں!!!

یسادہ دل بشارت قرآن سے شاہد ہے مومن نہیں ہر انتم الاحلون یا دہے

(۶)

بے شبہ قرآن کریم کا وعدہ ہے اور نہایت سچا وعدہ ہے کہ :-

وَمَنْ يُعَلِّمْ مِثْرَةَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا رِسْوَةً
اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تو
اس کو نہ کسی طرح کے ظلم و ستم کا خوف ہوگا اور نہ کسی طرح
کی حق تلفی کا

طہ۔ رکوع ۶ آیت ۱۱۱

لیکن اس وعدے کے وفادار ہونے کے لئے جو شرط کی گئی ہے کیا ہم اس پر بھی منتفت ہو جاتے ہیں اور دل

کو ایمان دلع کو تہذیب نفس اور تمام اعضائے جوارح کو عمل صالح کا پابند بنانے پر آمادہ ہیں؟ ہمارے اخبار ہماری قومی حق تلفیوں کے شکوہ سنجہ پتے ہیں مظالم کے دادخواہ ہوتے ہیں۔ قوم کی تباہی کا مرثیہ سناتے ہیں اور تلافی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن کیا سوچنے کی بات نہیں ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری بد مختیوں کا نتیجہ ہے مسلمان ایماندار ہوں۔ نیک کردار ہوں۔ تو نہ ان پر ظلم ہو سکتا ہے اور نہ ان کی حق تلفی ممکن ہے لیکن جب اس خصوصیت سے بیگانہ ہیں تو ظلم و ستم کا گلہ کیا اور حق تلفی کی نکات کیوں؟ اے نور چشم من بجز اور کشتہ ندی؟

(۷)

عمل صالح کا تعلق صرف ظواہر سے نہیں ہے عمل صالح اگر ہے تو اخلاق کو تہذیب رکھنا اور اعمال کو ایسے معیار تقویٰ پر لانے جس سے خود اس کو اور اس کی قوم کو فائدہ پہنچے اور وہ فائدہ بھی منسلکے قرآن کے مطابق ہو۔ جو تباہی ہم کو محیط ہے وہ اسی معیار کو نظر انداز کرنے کی سلاحت ہوئی ہے دنیا میں نظر کر دو دنیاوی ممالک پر نگاہ دوڑاؤ جزائر یونان کو دیکھو۔ جزائر بحر روم کو دیکھو۔ سیلی کو دیکھو۔ سارڈینیا کو دیکھو۔ ہسپانیہ کو دیکھو۔ پرتگال کو دیکھو۔ جنوبی فرانس کو دیکھو۔ جنوبی ایتالیا کو دیکھو۔ اور پھر بتاؤ کہ ان ممالک کے مسلمان کیا ہوئے اور کہاں گئے۔ الجزائر میں جاؤ یہاں کج کل فرانس کی حکومت اور دیکھو کسی کیسی مسجدیں کلیسا کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں اور ردمنوں پر صلیبیں نصب ہیں اور مدرسوں اور خانقاہوں کے مشرعی ہاؤس بنے ہوئے ہیں۔ خود اسی ہندوستان کو دیکھو اور بتاؤ کہ قطب مینار جس فاختہ عظمت و سر بلندی کی داستان سنا رہے تاج محل جس تمدن کا نوحد خواں ہے قوت اسلام جس جلالت و جبروت کی عزا دار ہے جو پور کا پل اور قلعہ اور مسجدیں جس فرد شکوہ کی سوگوار ہیں احمد آباد لاہور کی عبادت گاہیں جس دینداری کا قائم کر رہی ہیں۔ وہ سب باتیں کیا ہوئیں اور کدھر گئیں ہندستان اب بھی وہی ہے لیکن اب جاہ و مال کہاں ہے جو محمد بن قاسم کے ساتھ آیا تھا۔ وہ فلسفہ کہاں ہے جس کی لٹاٹھو جو پوری نے بنیاد ڈالی تھی۔ وہ فلسفہ کی درگاہیں کیا ہوئیں جو بہار و جو پور میں قائم تھیں۔ کیا ان سب کے فنا ہونے کا باعث یہی نہیں تھا کہ بزرگوں نے عمل صالح کا جو میراث چھوڑا تھا وہ برباد کیا اور ہم اس سے بے خبر ہے ہم اپنے

اخلاق و عادات کو اگر مہذب بناتے اور مہذب کہتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا ہماری غلام نہ ہوتی، اور زمانے پر ہمارا سکہ نہ بیٹھا رہتا۔ ہم ایک ریگستانِ عرب سے نکل کر اپنی اخلاقی طاقتوں کی بدولت ساری دنیا پر چھا گئے تھے اب تقویٰ نہ ہونے کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے بھی ہیں اور پھر بھی مٹی خراب ہو رہی ہے عبرتِ پذیر دل کے لئے کیا یہ نمونہ ہو جانے کی باتیں نہیں ہیں اور کیا اس نخطاط کی مصیبتوں میں بھی ہم کو خدا یاد نہ آئے گا۔ اور ہم اپنے ایمان و اخلاق کو محکم نہ بنائیں گے بے شہد ہم اب بھی ترقی کر سکتے ہیں۔ خدا نے جو وعدے کئے تھے وہ ابتدائی صدیوں کے لئے مخصوص نہ تھے وہ پاک و مقدس عسے ہمیشہ کے لئے ہیں اور اب بھی ان کا وہی اثر ظاہر ہو سکتا ہے۔ دنیا ہمارے لئے ہو اور دنیا کی تمام علمی و اخلاقی و مادی و روحانی ترقیاں بھی ہمارے ہی لئے ہیں۔ لیکن ان ترقیات کے لئے شرط کیا ہے؟ شرط محض اتنی ہے کہ ہمارے اخلاق و اعمال میں انکسلی و تہذیبِ صلاحیت ہونی چاہئے یہی شرط اگلی قوموں سے بھی ہوئی تھی اور اسی کو خدا نے یاد بھی دلایا ہے کہ :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَلَا يَحْسِلُوا
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا كَلُومًا
فَوَقَّعَهُمْ وَهُمْ نَعْتٍ أَزْجَلِهِمْ -
اور وہ جو ان کے پروردگار کی جانب سے ان پر اترا ہے اس
کی پیروی کرتے تو انہیں اتنی نعت روزی ہوتی کہ اگر آپرے
اور پاؤں تلے سو کھاتے (یعنی ہر صحت من کے لئے نعت ہی)

(مائدہ ۵۸، رکوع ۸، آیت ۶۱)

نعت ہوتی، لیکن انہوں نے اس شرط کو فراموش کر دیا وہی حالت آج ہماری ہے۔
کہ ایمان و عمل صالح کی پابندی پر ہم کو ترقی کی بشارت دی گئی تھی مگر ہم ہیں کہ دونوں کو بھولے اور نظر
اندا ز کئے ہوئے ہیں اور پھر بھی ترقی کے متنبی ہیں کیا یہ کامیابی کی صورتیں ہیں اور کیا ایسی حالت میں ترقی ممکن ہے؟

آیت الکرسی

(از مولانا عبداللہ العبادی)

(۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو بات بیان کی ہے کھول کر بیان کی ہے۔ اس کو دنیا کے ہر ایک طبقہ کی ہدایت لے لیا ہے اس لئے انداز بیان اس قدر واضح و شگفتہ اثر ریزہ اور دل نشین ہے کہ اعلیٰ و ادنیٰ رسل سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور نئی فرہنگی جمعیت سے لے کر پرانی امیر کانی جماعت تک کو اس کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل ہے، لیکن دشوار پسند طبیعتیں اتنی ساری تو ضیح پر بھی قرآن کے مفہوم میں اس قدر مختلف ہیں اور ان اختلافات نے اتنے دور از کار جھگڑے پیدا کر رکھے ہیں کہ ایک ایک کے مقابلہ و تکذیب پر آمادہ ہے۔

یہ اختلافات بیشتر ایسے ہیں جو قرآن کے طرز ادب میں غور کرنے کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔ قرآن کے انداز بیان و اسلوب کلام میں کوئی تعجیب کی چیز نہیں ہے، تعجیبہ طبیعتیں خود اس کو پیچ و پیچ بناتی جاتی ہیں۔ بلکہ اس کے الفاظ سے مطلب نکالا جاتا فلسفہ کی نظر سے اس میں نکتہ آفرینی کی جاتی ہے اور معنوں میں اور بھی گہریں پڑتی جاتی ہیں۔

ذوق عشق است کہ دشوار پسند افتاد است

ورنہ سودائے سر زلفت تو دشوار نبود

مثلاً :-

قرآن نے ایک مقام پر توضیح کی ہے کہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (خدا کی کرسی آسمان زمین کو وسیع ہے، اہل نظر کو کرسی کا مفہوم متعین کرنا قلماس لئے خوب خوب تو جہیں کی گئیں سادہ ہر کے جہں گئے دھڑ کا نظارہ اچھی طرح انکھوں کے سامنے آگیا۔ یہ اختلافات قابل دید ہیں۔

الف۔ کرسی اس جگہ کا نام ہے جس پر قدم ٹکاتے ہیں۔

ب۔ کرسی اس جگہ کا نام ہے جہاں خدا کے پاؤں ٹکے ہیں یہ جگہ اگر کرسی اعرش کے روبرو ہے۔

ج۔ خدا کی کرسی اتنی بڑی ہے کہ آسمان زمین اس کے جوف میں سما سکتے ہیں۔

د۔ خدا کا عرش کرسی سے بھی بڑا ہے اور اس قدر بڑا ہے جیسے ایک میدان میں لوہے کا چھوٹا سا حلقہ بے حقیقت سا نظر آ رہا ہو۔

ه۔ عرش و کرسی دونوں ایک ہیں۔

و۔ خدا کی کرسی آسمان کے اوپر ہے۔

ز۔ خدا کی کرسی زمین کے نیچے ہے۔

۱۔ عن علی بن مسلم الطوسی عن عبد الصمد بن عبد الوارث عن ابیہ عن محمد بن حجاجہ عن

سلمۃ ابن کھیل عن عمارۃ بن عمر بن ابی مرسی قال الخ۔

۲۔ عن مروی بن ہارون عن عمرو بن اسباط عن السدی۔

۳۔ عن السدی۔

۴۔ عن یونس عن ابن زہب عن ابن زید عن ابیہ ربروایۃ آخری عن ابی ذر۔

۵۔ عن المثنی عن اسحاق عن ابی زہیر عن جویر عن الضحاک عن الحسن۔

۶۔ عن الحسن وقال النیسابوری قد وردت الاجناد بان الکرسی دون العرش و فوق السماء السابعة۔

۷۔ روی النیسابوری فی رغبۃ عن السدی ان الکرسی تحت الارض۔

خدا کی کرسی میں زمین و آسمان سب ساکتے ہیں۔ خدا اس پر بیٹھا کرتا ہے۔ اللہ اُس کی سی اس کی پوری سائی ہو جاتی ہے۔ چاروں نکل بھی زیادتی نہیں ہوتے پانی، آس سے چرچراہٹ کی آواز بھی آتی ہے جس طرح کسی بھاری بھر کم آدمی کے بیٹھنے سے چرچراہٹ پیدا ہوتی ہے۔

ان اختلافات سے کہ کسی کا مفہوم تو کیا واضح ہوتا خدا کی خدا فی میں ٹھک پڑ گیا۔ کسی کو ایک مقام با محل مانو۔ خدا کو جسم قرار دو۔ اس کی نشست کے لئے تخت و کرسی بناؤ اور انسان سے خدا کی مشابہت ثابت کرنے کے لئے اس قدربالغہ کر دو کہ کرسی پر بیٹھنے میں بعض اوقات چوڑوں سے جو آواز نکلتی ہے اس کی تحقیقات بھی کر چھوڑو۔ اب بات کیا رہ گئی؟ خدا سے ایک یار نہ داتا کا ثبوت دینا باقی تھا۔ شاعری نے اس کی تکمیل بھی کر دی۔ ”وہ کہے اللہ ہواور میں کہوں اللہ ہوں“

(۲)

اہل علم کے لئے یہ موقع نہایت نازک تھا۔ انہیں چارنا چار کسی طرح بات کو سمجھنا پڑا۔ علامہ زمر محشری نقال مروزی نے اس کی نہایت لطیف توجیہ کی ہے صاحب رغائب فرماتے ہیں۔

قل المقصود من الکلام تصویر عظمۃ اللہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کلام کی غرض دراصل خدا کی عظمت و
و کبریائہ دکھ کر میثاقہ ولا تعود ولا تاعد حلال کی تصویر کھینچنا ہے۔ وہ حقیقت میں مذہم کی سی ہے
واختارہ جمع من المحققین کا لفظ نشست ہو اور نہ کوئی بیٹھنے والا ہے۔ اس توجیہ کو متفان زمری
والزمری تقریر یہ اندہ ینا طلب الخلق فی جیسے عقول کی ایک جماعت نے پسند بھی کیا ہے اس کی
تعریف ذاتہ و صفاتہ بما اعتادوا فی تفریع یوں ہے کہ خدا اپنی ذات و صفات روشن کرانے
ملو کہم فمن ذلک اللہ جعل الکعبہ کے لئے غلو قات اسی طرح خطاب کرتا ہے جس کے
بیتاً لہ یطوٹ الناس بہ کما یطوٹون خوگر پاؤں شاہوں کے ساتھ لوگ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً

لہ عن عبد اللہ بن ابی زیاد القسطنطینی عن عبد اللہ بن مریم عن اسیر علی بن ابی اسحاق عن اللہ بن

بیوت ملوکهم وامر الناس بزیارتہ کما
 یزور الناس بیوت ملوکهم و ذکر الحجر الأسود
 انہ یمین اللہ فی ارضہ ثم جعلہ مقبل
 الناس کما یقبل ایدی الملوک و کذلک
 ما ذکر فی القیامۃ من حضور الملائکہ والنبيين
 والشہداء و وضع الموازن و علی هذا لقیام
 اثبت لنفسہ عرشا فقال الرحمن علی
 العرش استوی و وصف عرشہ فقال
 ذک ان عرشہ علی الماء ثم قال و
 تری الملائکۃ حافین من حول العرش
 ثم قال و یعمل عرش ربک فوہم یومئذ
 ثمانیۃ ثم اثبت لنفسہ کرسیا و لہما
 توافقان المراد من الالفاظ الموشی
 للتشبیہ فی الکعبۃ والطوان والحجر
 ہو تعریف عظمۃ اللہ و کبریائہ فکذا
 الالفاظ الواردة فی العرش والکرسی
 کعبۃ طوان و حجر کے تشبیہ کا وہم پیدا ہوتا ہے اصل میں ان الفاظ سے خدا کی عظمت و کبریائی
 کو دیکھنا اس لئے کہ مقصود ہے اس لئے عرش و کرسی کے باب میں جو الفاظ وارد ہیں ان سے بھی ایسی مراد ہو گئی ہے

یہ تادیل منے کے قابل ہے لیکن پہلے یہ فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ جن الفاظ کی تادیل کی جاتی ہے وہ آیا واقع میں تادیل طلب ہیں؟ اور طواف کعبہ، بوسہ حجر، اسودہ قیامت میں فرشتوں پہنچیں اور شہید دل کا دربار۔ انسانی اعمال کو تو لے والی ترازو عرشِ سرسی۔ ان سب کا آیا ہی مفہوم ہے جس کو ہم لائزہ انسانی سمجھتے ہیں۔ اور خدا کی خدائی کو اس سے منزہ و میرا مان کر بات بنانے کی فکر میں ہیں اگر فیصلہ ہو گیا تو مسئلہ خود بخود واضح ہو جائے گا۔ اور قرص آفتاب کو مشعل لے کر ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہ ہے گی۔

(۳)

اس مقام پر ہم کو صرف آیت زیر بحث کی تحقیق کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ کرسی کے لفظ سے تادیل کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ اس لئے پہلے اسی معنی کو حل کر لینا چاہئے۔ وہ مشہور آیت جس میں یہ لفظ وارد ہوا ہے تمام کمال یوں ہے:-

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ
السَّاعَةُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْأَرْضِ مِمَّنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ
إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ
عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

میں سے کسی چیز پر بھی حاوی نہیں مگر جتنے پر وہ چاہے اس کی کرسی آسمان و زمین (سب) پر حاوی ہے۔ اور آسمان و زمین کی حفاظت اس پر مطلق، گراں نہیں اور وہ

بڑا عالیشان رہے اور اس کی بڑی بارگاہ ہے۔

اس آیت میں اتنی باتیں مذکور ہیں۔

الف۔ اکیلا ایک خدا ہی معبود پہنے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ شان معبودی صرف اسی کی ذات سے مخصوص ہے۔

ب۔ وہ زندہ ہے اور سارے جہان کے کام سنبھالے ہوئے ہے۔

ج۔ غفلت کا اس میں دخل تک نہیں۔ کام میں لگا ہوا ہے۔

د۔ ارادہ کا پکا ہے۔

ه۔ اس کا علم نہایت وسیع ہے۔

و۔ اگے پیچھے سب کا اس کو علم ہے۔

ز۔ اس کا علم ایسا نہیں ہے کہ کوئی اپنی طاقت کے بل سے اس پر حاوی ہو جائے۔

ح۔ اس کی کرسی میں آسمان و زمین سب کی سمائی ہے۔

ط۔ آسمان و زمین کتنے ہی بھاری بھر کم ہوں لیکن خدا ان کی حفاظت سے نہیں تھکتا۔

ی۔ وہ بڑا برتر و بلند مرتبہ ہے۔

اس ترتیب پر غور کرو اور دیکھو کتنا اچھا تسلسل ہے :-

لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ خدا کے واحد کو معبود مانو۔ اس لئے کہ معبود ہونے کے لئے جتنے اوصاف

ہر سکتے ہیں وہ اس کی ذات میں اور صرف اُسی کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔

یہ اوصاف درجہ بدرجہ بیان کئے ہیں جن میں صفت علم پر سب زیادہ زور دیا ہے اور کئی طرح سے

اسے ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے منقول ہے مولوی حسان بخش نے کرسی کے معنی میں التوسیع میں سلطنت کے بیان کئے

ہیں ”عظیم“ کے معنی بڑی بارگاہ، تہاتے ہیں جو محض غلط ہیں۔ عظیم کے اصل معنی تو صاحب غفلت کے ہیں۔

اس خصوصیت پر روشنی ڈالی ہے۔

اوصاف کی جو تدریجی رفتار قائم کی ہے اس کا اسلوب دیکھنے کے قابل ہے۔ ہر ایک صفت کا نچلا سرا اپنے بعد والی صفت کے اوپری حلقہ سے لگاؤ رکھتا ہے لیکن صفت (رح) کو (ط) سے تو لگا دے مگر (ن) سے کوئی لگا نہیں ہے۔ علم کے ساتھ کرسی کو کیا مناسبت ہے؟

کرسی سے اگر بیٹھنے ہی کی کرسی مراد ہے اور وہ بھی اتنی بڑی کہ آسمان وزمین کو مادی ہو تو جہاں یہ صفت بیان کی تھی کہ خدا آسمان وزمین کی حفاظت سے نہیں تھکتا۔ وہاں اسی ذیل میں کرسی کا تذکرہ کیوں نظر انداز کر دیا گیا۔ کرسی تو آسمان وزمین سب سے بڑی تھی۔ بڑی چیز کو چھوڑ کر چھوٹی چیز کے بارامٹھانے کے تذکرہ میں کیا بلاغت ہو سکتی ہے؟

(۴)

واقعہ یہ ہے کہ کلام عرب میں دراصل "کرسی" وہ ہے جس کا لوگ سہارا لیتے ہیں، زجاج کا قول ہے:-
الَّذِي تَعْرِفُ مِنَ الْكُرْسِيِّ فِي اللُّغَةِ الشَّيْءُ الَّذِي يَعْتَمِدُ عَلَيْهِ الْكَرْسِيُّ كَمَا تَعْلَقُ بِهِ الْبَابُ فِي جَوْهَرٍ
وہ اسی قدس ہے کہ کرسی وہ ہے جس کا سہارا لیں، اسی لحاظ سے جس پر حکومت غالب تھی اور حکومت ہی کو سب سے بڑا سہارا ماننا تھا اس نے "کرسی" کے معنی حکومت قرار دیئے، جو بیٹھنے کی چیز کے سہارے پر قائل تھے وہ اس سے کرسی متعارف سمجھے اور جن کی نظر خالص کلام عرب پر تھی ان کے نزدیک سب سے بڑا انسانی سہارا علم تھا اس لئے "کرسی" کے معنی علم کے ہو گئے، قدائے اہل زبان میں علم کے لئے کرسی کا لفظ متداول تھا، کہتے تھے:-

كُورَسُ الرَّجُلِ - اَعِى اَزْ وَجْهِهِ عَلِمَهُ عَلَى قَلْبِهِ -

اُو اس کے فیصلہ کے لئے سلف صالح کو حکم بنائیں۔

علامہ ابو جعفر ابن جریر طبری جن کی وفات کو ایک ہزار برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے ہر ایک

لعن ان العرب - ج ۸ ص ۷۷ - علامہ ابن جریر طبری نے ۳۴۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی تفسیر کی نسبت علامہ ابو حامد اسفہرائی باقی برصغیر ۱۰۶

بات میں روایت کے پابند ہیں اور گوان کا خاص ذوق یہ ہے کہ حدیث کے نام سے چاہے کسی ہی بات کہی جائے وہ سب کی روایت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، تاہم بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر ایک بات کے متعلق مختلف انداز کی روایتیں جمع کر دیتے ہیں جن سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے اہل بیت کیا مطلب سمجھتے تھے اور ان کی اس بات میں کیا رائے تھی۔ اس آیت کی تفسیر میں بھی حسب معمول متعدد روایتیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

اما الذی بدل علی صحنہ ظاہر القرآن لیکن وہ بات جس کے صحیح ہونے پر کلمہ تھلا قرآن دلالت کر رہا
فقول ابن عباس الذی رواہ جعفر بن ہے تو وہ ابن عباس کا قول ہے جیسے جعفر بن مغیرہ نے سعید
ابی مغیرہ عن سعید بن جبیر عنہ انه بن جریر کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن عباس کہتے تھے کہ آیت الکرسی
قال: (هو ای الکرسی) علمہ ۛ وکذا الک میں کرسی سے مراد خدا کا علم ہے۔ ابن عباس نے یہ بات اس
لذلالة قوله تعالى ذکره ۛ ولا یؤدہ لئے کہی کہ آیت: "اَسْمَانِ وَزَمِنْ کِی نگہبانی خدا کو نہیں نکالتی"۔
حفظهما ۛ علی ان ذلک کذا الک خود اس پر دلیل ہے۔ خدا نے اطلاع دی ہے کہ آسمان و
فاخبرانه لا یؤدہ حفظ ما علم و زمین میں جو کچھ بھی ہے خدا کو سب کا علم ہے اور رب پر
احاط به مما فی السموات والارض وہ محیط ہے۔ ان میں سے کسی کی حفاظت اس کو تھا کہ نہیں
وکما اخبر عن ملائکتہ انہم قالوا سکتی۔ اسی طرح اپنے فرشتوں کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ
فی دعا ئہم ۛ و بنا وسعت کل شیء اپنی دعائیں کہتے ہیں: "اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور
رحمة وعلمنا ۛ فاخبر تعالى ذکره بزرگم ہر ایک چیز کو وسیع ہے" اس مذکور سے یہ آگاہ کرنا مقصود تھا کہ

(بقیہ صفحہ ۱۵۱) کی رائے ہے کہ روماء اور جل الی الصین حتی یصل لہ کتاب تفسیر میں بن جریر نے روایت

ذلک کثیرا۔ (تفسیر ابن جریر کے لئے اگر کوئی شخص چین تک چلا جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہوگی ملاحظہ ہو طبقات
النفیہ لابن السبکی۔ ۱/۱۳۷ میں یہ تفسیر مصر کے مطبع مبینہ میں چھپ گئی ہے۔)

ان علمه وسمع کل شیء فذلک قولہ۔ خدا کا علم ہر چیز کو حاوی ہے لہذا اسی طرح آیت اس کی کرسی
 ووسع کوسیه السموات والارض۔ آسمان وزمین کو حاوی ہے "میں کرسی سے مراد علم ہی ہے یعنی خدا کا
 واصل الکرسی العلم ومنہ قیل۔ علم آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب کو حاوی ہے کرسی کے اصلی معنی
 للصحیفۃ یكون فیہا علم مکتوب۔ عجمی سلم ہی کے ہیں۔ کراسہ اسی لفظ سے نکلا ہے۔ جس کے
 کراسۃ ومنہ قول الراجزی۔ معنی جزو کتاب کے ہیں جس میں علمی باتیں لکھی ہوتی ہیں۔ راجز عر
 صفة تانص:- نے اسی بنا پر ایک ٹکاری کی صفت میں کہا تھا۔

”حتی اذا ما اختارها تکرسا“۔ حتی اذا ما اختارها تکرسا۔ اس میں تکرس ہے "علم ہی مراد ہے۔ علما کو بھی اسی لئے کرسی کہتے
 یعنی علم۔ ومنہ یقال للعلماء۔ ہیں۔ کیونکہ انہیں پر اعتماد ہوا کرتا ہے۔ انہیں "اوتاد الارض"
 الکرسی لانہم المعتمد علیہم کہا۔ زمین کی میخ بھی کہا جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ان علما
 یقال اوتاد الارض یعنی بذلک۔ میں ہیں جن کی بدولت زمین سنبھلی ہوئی ہے۔ ایک شاعر کہتا
 انہم العلماء الذین تصلح بہم۔ ہے :-
 الارض ومنہ قول الشاعر۔

تحف بہم بیض الوجہ وعصبۃ۔ تحف بہم بیض الوجہ وعصبۃ
 کراسی بالاحداث حین تنوب۔ کراسی بالاحداث حین تنوب
 یعنی بذلک علماء بحوادث الامور۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے کرسی یعنی عالم ہیں جن کو حادثوں
 و نواز لہا۔ اور مصیبتوں کی خبر دیا کرتی ہے۔

قدیم بزرگان اہل تشیع کو بھی اس معنی سے اتفاق ہے اور انہم اشاعہ میں دو امام ابو جعفر و
 ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہی مطلب ماثور ہے۔ اس فرستے کے سب سے بڑے مفسر علامہ طبری ہیں جن کی کتاب

جمع البیان میرے سامنے ہے وسع کرسیہ کی چار تالیفیں کی ہیں جن میں پہلا نمبر یہ ہے کہ کرسی معنی علم ہیں
 وسع علمہ السموات والارض عن ابن عباس اور مجاہد کی روایت میں کرسی سے علم مراد ہے۔
 عباس و مجاہد و هو المروئی عن ابی جعفر امام ابو جعفر اور امام ابو عبد اللہ سے بھی یہی معنی
 واجی عبد اللہ - لہ - مروی ہیں۔

اسماعیلی بھی اسی معنی کے قائل ہیں مجالس موبدئیہ کی ایک مجلس اسی کے لئے مخصوص ہے صوفیہ
 بھی اسی جانب مایل ہیں شیخ اکبر فخر الدین بن عربی صاحب فصوص و فتوح اپنی تفسیر میں
 لکھتے ہیں :-

وسع کرسیہ السموات والارض ای علمہ "وسع کرسیہ" میں کرسی سے مراد اللہ کا علم ہے۔ کرسی
 اذالکرسی مکان العلم الذی هو القلب محل علم ہے اور اسی کا نام قلب ہے ابو یزید بطنی
 کما قال ابو یزید البسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عارف کے کسی ایک گوشہ قلب
 "لو وقع العالم وما فیہ الف الف مرتۃ میں اگر تمام جہان مع اپنے تمام موجودات کے ایک ہی
 فی زاویۃ من زوا یا قلب العارف ما احس مرتبہ نہیں بلکہ ہزار ہزار مرتبہ جاپڑے تو کمال تسکین
 بہ لغایتہ سعتہ" لہ - کے باعث عارف کو یہ محسوس تک نہ ہوا۔

اس تصریح نے تمام عقدے حل کر دیئے اور بتا دیا کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اُس
 میں کرسی کا مفہوم کیا تھا اور کن مطالب کے لئے اس لفظ کا استعمال کیا جاتا تھا۔

گوسالہ سامری

(از مولینا عبداللہ العمادی)

ای برہمن اک عذار چوں لالہ پرست رخسار نگار چارہ سالہ پرست
گر چشم خدا سے بین نداری بارے خورشید پرست شو نہ گوسالہ پرست

(۱)

ایک سامری وہ تھے جن کے آثار تمدن آج کل سندھ کے حفیات سے نمایاں ہو رہے ہیں، اصطلاحی معنی میں یہ سامی قوم اگر عرب نہ تھی تو کوئی شک نہیں کہ عربی قومیت کے خاندان سے قریب تریں تعلق رکھتی تھیں، حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے کئی ہزار برس قبل سامریوں نے عراق سے نکل کر ہندوستان کا رخ کیا اور سندھ میں ایک ایسے تمدن کی طرح ڈالی جس کے خط و خال کی نموداریوں نے آج ایک عالم کو محو حیرت بنا رکھا ہے۔ بلوچستان اور یلیبار میں اس قوم کی یاد اب بھی تازہ ہے۔ اور اگرچہ اس قدیم تہذیب کا نشان معدوم ہو چکا ہے مگر نام اب بھی موجود ہے۔

لیکن آج کے مضمون سے یہ سامری متعلق نہیں۔

آج کا مضمون اس سامری سے متعلق ہے جس نے ایک گوسالہ بنایا تھا۔ اور بہتیرے یہودیوں سے اس کی پوجا کرتی تھی عجب نہیں یہ بھی اسی قوم کا بقیہ ہو۔

اس گوسالہ پر ایک عجیب افسانے کا رنگ چڑھایا گیا ہے اور اس رنگ سازی میں کلام اللہ کو لایا گیا ہے۔ ایسی نگینی پیدا کرنے والے دماغوں سے گوسالہ آرائی پر بحث کی ضرورت نہیں۔

مزدت مرث اس قدسہ کہ گوسالہ آرائی کی دہن میں آیات کلام اللہ کے متعلق جو غلط لکھا گیا ہے اس کو صاف کر دیا جائے۔

اس باب میں اہل نظر کے نقل اقوال پر بھی میں نے قناعت کی ہے، خود میری کوئی رائے نہیں اور خدا نہ کرے کہ میں کلام اللہ کے مفہوم متعین کرنے میں اپنی رائے کو دخل دوں۔
چلتا ہوں مضبوطی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا ہوں گو قدم راہبر کو میں

سامری کے گوسالہ کا تذکرہ تو کمی جگہ ہے لیکن گوسالہ میں آواز پیدا ہونے کے سبب کا تذکرہ بیان کیا جاتا ہے کہ سورہ طہ میں ہے آیات ذیل ملاحظہ ہو۔

وَمَا أَجْعَلْكَ عَنْ قَوْمِكَ يَمْوَسَّىٰ ۝
قَالَ هُمْ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ آثَرِي وَعَجِلْتُ
إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا
قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِينَ ۝
فَوَجَعَ مَوْسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضَبًا
أَسْفَاةً قَالَ يَغْوِمَ الْكَاذُ يَعِدُكُمْ
رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا أَتَطَّالُ عَلَيْكُمْ
الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَن يَجْعَلَ عَلَيْكُمْ
غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۝
ثَاوُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمِلْكِنَا وَلَكِنَّا
حَمَلْنَا آثَرًا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أَلْتَمِيمًا ۝

اور (جب موسیٰ تو رات لینے آگے بڑھ آئے تو ہم نے پوچھا کہ
اے موسیٰ تم جلدی کر کے اپنی قوم سے کیسے آگے آگے عرض کیا
وہ بھی یہ میرے پیچھے رہی تھی چلے آ رہے ہیں۔ اور اے
میرے پروردگار میں جلدی کر کے تیری طرف اس لئے بڑھ
آیا ہوں کہ تو مجھ سے خوش ہو فرمایا کہ ہم نے تمہارے
پیچھے تمہاری قوم کو ایک اور بلا میں مبتلا کر دیا ہے
اور وہ یہ ہے کہ ان کو سامری نے گمراہ کیا۔ پھر موسیٰ
غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پس
آئے اور آکر کہنے لگے کہ بھائیو! کیا تم سے تمہارے
پروردگار نے عہدہ کتاب یعنی تو رات کے لینے کا)
دعہ نہیں کیا تھا تو کیا تم کو (اس وعدے کی امت

فَقَدْ مُنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝
 فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا آلَهُ خَوَّارٌ
 فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى ۝
 فَتَنَسَاهُ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ
 تَوَلَّوْا وَلَا يَمْلِكُ ضَرَأًا وَلَا نَفْعًا ۝
 وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ
 يُقَوْمُوا إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ
 رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَاطِيعُوا
 أَمْرِي ۝ قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْكَ خَلْقِينَ
 حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَى ۝ قَالَ يَهُودُ
 مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا أَكَلَا
 تَلْبَعِينَ ۝ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝ قَالَ
 يَا بَنُو قُرَيْشٍ أَأَتَاخَذُ بِالْحَيْثِيَّةِ وَلَا بِرَأْسِي
 إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ
 بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ تَرْتُبْ
 قَوْلِي ۝ قَالَ نَمَّا خَطْبُكَ إِسَامِرِيُّ
 قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ
 فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ
 فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝

بڑی لابی معلوم ہوئی اور اس وجہ سے تم نے اس مہد کے غلام
 کیا جو (خدا کے واحد کی پرستش کا) مجھ سے کرچکے تھے (وہ)
 لگے کہتے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تمہارے ساتھ عہد شکنی
 نہیں کی رہمکو یہ معاملہ پیش آیا کہ قبیلوں کی (توہم کے
 زبور دل کا بوجھ جو مصر سے چلتے وقت) ہم پر لا دیا
 گیا تھا اب سامری کے کہنے سے) ہم نے اس کو راگ
 میں لا ڈالا۔ اور اسی طرح سامری نے بھی رہنے پاس کا
 زبور (ڈالا) پھر سامری ہی نے) لوگوں کے لئے (اس کا
 ایک) پچھڑا (ناک) نکال کھڑا کیا (یعنی پچھڑا) بت
 جس کی آواز (بھی) پچھڑے کی (سی) تھی۔ اس پر بعض
 لوگ کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود
 (بھی ہی تھا) اور وہ بھول کر کوہ طور پر چلا گیا ہے۔ کیا ان
 لوگوں کو اتنی بات بھی نہیں سمجھ پڑتی تھی۔ کہ (پچھڑا)
 ان کی بات کا نہ تو الٹ کر جواب دے سکتا ہے اور نہ
 ان کے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی نفع کا ساور
 ہمارے نے پچھڑے کی پرستش سے) پہلے ان سے کہا
 بھی کہ بھائیو! یہ تو اس (پچھڑے) کے ذریعہ سے تمہاری
 آزمائش کی جا رہی ہے۔ ورنہ تمہارا پروردگار تو (خدا ہے)
 رحمن ہے تم میرے کہے پر چلو اور میری بات مانو رہے کہتے

قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ
 أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ
 مَوْجِدًا لَنْ تُخْلَفَ - وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ
 الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا -
 لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْبِفَنَّ فِي آلِهِ
 نَسْفًا - إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي
 لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ - وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ
 عِلْمًا -

کہ جب تک موسیٰ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آئیں ہم تو برابر
 اسی (بچھڑے) کی پرستش، پڑھتے بیٹھے رہیں گے۔
 (موسیٰ نے ہارون کی طرف خطاب کر کے کہا کہ
 ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ یہ لوگ مگر
 ہو گئے تو تم کو کیا وجہ مانع ہوئی کہ تم نے میری ہدایت
 کی پیروی نہ کی۔ کیا تم نے میری عدول علی کی روئے بولے
 کہ اے میرے ماں بچے رکھائی، میری ڈاڑھی اور سر
 رکے بال، تو پکڑو نہیں میں اس ربات سے ڈرا کہ
 علمنا۔

(سورہ ۲۰ - رکوع ۳۴ - آیت ۶۲ تا ۷۷)

(تم واپس آ کر کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی
 اسرائیل میں بھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔ (اب موسیٰ نے سامری سے) پوچھا کہ ساری!
 تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی (جبرئیل کو دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار
 چلے جا رہے ہیں) تو میں نے جبرئیل فرشتے (کی گھوڑی کے نقش قدم کی مٹی) سے ایک مٹی
 بھری پھراس کو ڈھلے ہوئے پھڑے میں ڈال دیا اور وہ بھائیں بھائیں کرنے لگا اور اس وقت
 میرے دل نے جھکو ایسی ہی صلاح دی! موسیٰ نے کہا چل (دور ہو) اس زندگی میں تو تیری یہ منزل
 ہے کہ (زندگی بھر) کہتا پڑا پھر کہ (دیکھ مجھے کوئی) چھو نہ جانا (ورنہ ہم دونوں کو تپا جلے گی)
 اور اس کے علاوہ) تیرے لئے عذاب قیامت کا) ایک وعدہ اور بھی ہے جو کسی طرح تجھ پر سے
 ٹپے گا نہیں اور اپنے (اس) معبود (یعنی بچھڑے) کی طرف دیکھ جس کی پرستش پر تو جما بیٹھا
 تھا اس کو ہم جلا کر رکھ کر) دیں گے پھر اس (رکھ کو دریا میں بکھر کر بہا دیں گے۔ لوگو تمہارا (اصل)
 معبود بس اللہ ہے جس کے سوا کوئی (اور) معبود نہیں (اور) اس کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے!

حب معمول ان آیات کا ترجمہ بھی شمس العلماء مولوی تذیر احمد صاحب مرحوم سے ماخوذ ہے یہودیوں میں اس قصے کے متعلق بہت سی دوران کار روایتیں مشہور تھیں جو مفسرین کی عنایت سے مسلمانوں میں اب تک مشہور چلی آتی ہیں اور ہمارے شمس العلماء نے تو بطور ایک واقعہ مسئلہ کے آیات کا ترجمہ بھی اسی انداز میں کیا ہے اس ترجمہ کی بنا پر قرآن کریم کو متعدد جگہ برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

(الف) جبریل کی گھوڑی کے نقش قدم کی مٹی سامری کو کیونکر ملی؟

(ب) کیا آسمانی فرشتے گھوڑوں پر سوار ہو کر زمین کی سیر کیا کرتے ہیں؟

(ج) کیا ان گھوڑوں کے نقش قدم کی مٹی کو ڈھلے ہوئے مجسمے کے جوت میں ڈالنے سے اس کا زندہ جانور ہو جانا ممکن ہے؟

(د) سامریٰ کا فرقہ تو حضرت موسیٰ کے زمانے سے تعلق نہیں رکھتا پھر یہ سامری اس زمانہ میں کہاں سے نکل آیا؟

(ه) تورات تو کہتی ہے کہ حضرت ہارون نے بھیرا بنایا تھا پھر اس واضح تصریح کے ساتھ کلام اللہ کا کھلا ہوا اختلاف کیا معنی رکھتا ہے۔

ہمارے درست شیخ حمید القادر مغربی نے جو طرابلس الشام کے محقق ہیں۔ ان شبہات کی تاویل کی ہے مگر ان کو چوتھے اور پانچویں شبہ کے متعلق غور کرنے کا موقع نہیں ملا، پہلے دوسرے اور تیسرے اعتراضات میں جبریل کی گھوڑی کا واقعہ اور اس کے نقش قدم کی مٹی کے ذریعے سے ڈھلے ہوئے بچھڑے میں جان کا اجمالیہ دونوں باتیں ان کی رائے میں قرآن سے مستنبط ہو رہی ہیں۔ لیکن اعتراضات کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ:-

۱۔ قرآن نے سامری کے قول کو نقل کیا ہے۔ ممکن ہے اسی نے جھوٹ کہا ہو لیکن اس سے قرآن پر حرف نہیں اُسکا!

۲۲ قرآن یہ نہیں کہتا کہ پچھڑے کا مجسمہ زندہ ہو گیا تھا، وہ صرف آواز کا تذکرہ کر رہا ہے جو عجیب نہیں کہ کسی گل کے ذریعہ سے سامری نے پیدا کر لی ہو۔

سید احمد خاں کی باتیں: ایک لفظ بھی قرآن مجید کا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس پچھڑے میں بیج کی آمد خدا کے پیدا کئے ہوئے پچھڑے کے مانند آواز تھی۔ بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سامری نے اس پچھڑے کو اس طرح بنایا تھا کہ اس میں سے آواز بھی نکلتی تھی۔ ہزاروں جانور اب بھی کارگیر اس طرح سے بناتے ہیں کہ وہ اڑتے ہیں۔ ہلکتے ہیں۔ حرکت کرتے ہیں بولتے ہیں۔ سامری نے بھی اس پچھڑے کو ایسی کارگیری سے بنایا تھا کہ اس میں سے آواز بھی نکلتی تھی ۵

یہ مضمون قابلِ غنہ ہے لیکن مرحوم نے اس کے ساتھ جبریل کی گھوڑی کے نقش قدم کی مٹی لے کر پچھڑے کے جوف میں ڈالتے کے واقعہ سے تو بڑی سختی سے انکار کیا ہے، مگر وہ یہ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ حب پہاڑ کو جا رہے تھے تو سامری نے ان کے نقش قدم کی مٹی بھر مٹی اٹھا لی تھی اور بعد کو دی مٹی پچھڑے کے جوف میں ڈالی تھی ۵

(۲)

کلام اللہ کے الفاظ بہت ہی واضح اور صاف صاف ہیں۔ ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہ اس کا ترجمہ جبریل فرشتہ یا فرشتہ کی گھوڑی یا مٹی کر سکتے ہوں ابو مسلم کی باتیں میں حضرت موسیٰ نے حب سامری کو ملامت کی تو اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ بَعُرْتُ مِمَّا لَمْ يَبْعُرْ وَابَاهُ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي رُجْعِي ایسی بات سو بھی جو کسی کو نہ سمجھی تھی اے رسولِ ربوبی! میں پہلے تہااری پیروی کرتا تھا لیکن اب میں نے چھوڑ دی اور میرے ہی ایسا ہی آیا، عربی محاورہ میں پیروی کے لئے قبض اثر کا استعمال عام طور پر رائج ہے۔ اور شعر کے مابین کے

کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ۱۔ ہذا اما عندهم، اِنَّمَا الَّذِیْ عِنْدِیْ نَاسِیْمٌ اللّٰهُ کَثِیْرٌ وَّ اَذْکَرُ
کَثِیْرٌ الْیَطْمَئِنُّ قَلْبِیْ اِلَّا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۱۔

ابو مسلم مصنفانی لکھتے ہیں:-

لیس فی القرآن تصریح بهذا لَٰذِی مفسرین جو بیان کرتے ہیں قرآن میں اس کی کوئی تصریح
ذکر المفسرون فہنا وجہٗ اخر موجود نہیں ہے۔ یہاں ایک دوسری بات ہے اور وہ
وہو ان یکون المراد بالرسول موسیٰ یہ ہے کہ لفظ رسول سے حضرت موسیٰ مراد ہیں اور اگر رسول
علیہ السلام و یا ثور سنتہ درسمہ سے ان کی سنت طریقہ مراد ہے جس کی پابندی کا انہوں نے حکم لیا
الذی امر بہ فقد یقول الرجل فلان تھا جبکہ کسی کسی کے طریقے پر کار بند ہوا کرتا ہے تو کہتے ہیں فلان
یفقوا ثر فلان ویقبض اثرک اذا کان یفقوا ثر فلان ویقبض اثرک۔ یا فلان یقبض اثر فلان

۱۔ مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ عیسیٰ اسرائیل کی تمام جماعت کے کر معرے شائب نکل آئے تو فرعون نے انکو
لے کر ان کا پیچھا کیا۔ جاتے جاتے بنی اسرائیل جب ایک کٹاے پہنچے تو حضرت موسیٰ کے معمر سے وہ پاپا ہو گیا۔ اور سب لوگ پار اتر گئے
فرعون یہ دیکھ کر کچھ ٹھٹھک سا گیا لیکن خدا کو اس کا غرق کرنا منظور تھا حضرت جبریل ایک انسان کے بھیس میں گھوڑے پر سوار
اُٹکے۔ فرعون کے گھوڑے کے آگے اپنی گھوڑی کر دی اور دریا میں اتر گئے فرعون کا گھوڑا یہ دیکھ کر شوخی کرنے لگا اور
فرعون کو لے کر بے ساختہ گھوڑی کے پیچھے دریا میں اتر گیا مصر لپٹے جب پہنچے بادشاہ کو دریا میں اترتے دیکھی تو سب لوگ اس کے
پیچھے ہوئے اور بیچ دریا میں جا کر کچھ سب ڈوب گئے۔ سامری کی پرورش حضرت جبریل نے کی تھی لہذا وہ انہیں خوب پہچانتا
تھا۔ عیب اس نے دیکھا کہ حضرت جبریل گھوڑی پر سوار عاب ہے میں تو گھوڑی کے نقش قدم کی ایک ٹھٹی بھرٹی اٹھالی اور عیب
حضرت موسیٰؑ تو رات لینے کے لئے کوہ طور پر گئے تو سونے چاندی کے زیور جو معمر سے ہاتھ لکھنے کے قبل بنی اسرائیل کی عورتیں
تبطیوں سے مستعار لے کر ہاگ آئی تھیں سامری نے ان سب کو اکٹھا کیا اور تمام زیور دن کو اٹھا کر ایک
بچہ بنا دیا اور اس کے جوف میں وہی مٹی جو حضرت جبریل کی گھوڑی کے نقش قدم سے اس نے اٹھی تھی
ڈال دی جس کی وجہ سے بچہ مرانہ ہو گیا۔ اور بولنے لگا۔ اسی طرح کی بہت سی مائیں عیسائی یہودیوں میں مشہور تھیں۔
لیکن ہرے کہ یہ افسانے اس حرج سے قرآن کریم میں نہیں بھی مذکور نہیں۔ ۴

یعنی اس کی روش کی پیروی کرتا ہے) مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ حبیب سامری کو کلامت کرنے لگے اور پوچھا کہ کیا بات تھی کہ گوسالہ کے ذریعہ سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ سوچھی جو تم میں سے کسی کو نہ سوچھی یعنی مجھے معلوم ہو گیا کہ جس طریقہ پر تم ہودہ درست نہیں ہے اے پیغمبر میں تمہارے اثر کو کچھ قبضہ میں کر لیا تھا یعنی تمہارے طریقہ و مذہب کا کچھ پابند تھا بعد کو میں نے اسے چھوڑ دیا یہ سن کر حضرت موسیٰ نے اس کو بتایا کہ اس کا کیا نتیجہ ہونے والا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کو کیا عذاب ہوں گے سامری نے رسول کہہ کر حضرت موسیٰ سے اس طرح باتیں کی تھیں جیسے کسی غائب کا تذکرہ ہو رہا ہو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی بڑے آدمی سے کوئی اس کے رد و رد کہے کہ اس امر میں امیر کا کیا حکم ہے یا فلاں مسئلہ میں بادشاہ سلامت کیا فرماتے ہیں یہی بات کہ سامری تو منکر تھا پھر اس نے حضرت موسیٰ کو رسول کیوں کہا تو اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کی نسبت کافروں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اے وہ شخص کہ اس پر دجی اتری ہے تو مجنون ہے حال آنکہ ان کافروں میں کوئی بھی پیغمبر پر دجی اترنے کا۔

يُمَثِّلُ رَسْمَهُ وَالتَّعْدِيرَانَ مَوْسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَا قَبْلَ عَلَى السَّامَرِيِّ بِاللَّحْمِ وَالْمَسْأَلَةَ عَنِ الْأَمْرِ الَّذِي دَعَاهُ إِلَىٰ اضْطِلَالِ الْقَوْمِ فِي بَابِ الْجَلِّ فَقَالَ بَصْرَتِي بِمَالِهِ بَصِيرًا بَلَمْ أَيْ عَرَفْتُ أَنَّ الَّذِي أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَيْسَ بِحَقٍّ وَقَدْ كُنْتُ قَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِكَ أَيَا الرَّسُولِ أَيْ شَيْئًا مِنْ سُنَّتِكَ وَدِينِكَ فَنَبَذْتُهَا فِي طَرَحِهَا فَعِنْدَ ذَلِكَ أَعْلَمَهُ مَوْسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمَالِهِ مِنَ الْعَذَابِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَلَمْ أَوْسِدْ بِلَفْظِ الْخَبَارِ عَنْ غَائِبٍ كَمَا يَقُولُ الرَّجُلُ لِرَأْسِهِ دَهْرًا وَمَوَاجَهُ لَمْ يَأْتِ يَقُولُ الْأَمِيرُ فِي كَذَا وَمَا ذَا أَمْرٍ الْأَمِيرُ وَمَا دَعَاؤُهُ مَوْسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَسُولًا مَعَ جَدِّهِ وَكَفَرَهُ فَعَلَىٰ مِثْلِ هَذَا مِنْ حِكْمِ اللَّهِ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَوْلُهُ أَيَا الرَّسُولِ نَزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ أَنْتَ الْمَجْنُونُ وَأَنْتَ لَمْ

یومئذ ابالانزال۔ ۱۷

کامل د تھا۔ ۱۸

امام رازی نے اس معنون کو ہر ت نقل کیا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں:-

واعلم ان هذا القول الذي ذكره
ابو مسلم ليس فيه الا مخالفة
المفسرين ولكنه اقرب الى التحقيق
قريب ہے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔

لوجوه احدها ان جبرئيل عليه
السلام ليس بمشهور باسم الرسول
ولم يعبر له فيما تقدم ذكره حتى يجعل
اللام التعريف اشارة اليه فاطلاق
لفظ الرسول لا رادته جبرئيل عليه
غیب کی تکلیف دینا ہے۔

السلام كانه تكليف بعلم الغيب -
وثانيها انه لا بد فيه من الاضمار
وهو قبضة من اثرا خافرس
دوسرے یہ کہ اس صورت میں ضمیر لانے کی ضرورت ہوگی۔
یعنی رسول کے گھوڑے کے سم کا نقش۔ اور یہ ظاہر ہے
کہ ضمیر فلاں اصل ہے۔

الرسول والاضمار خلاص الاصل -
وثالثها انه لا بد من التعسف
في بيان ان السامري كيف اختص
من بين جميع الناس بروية جبرئيل
عليه السلام ومعرفة؛ ثم كيف
عون ان القرب حافرسه هذا
تیسری مشکل یہ ہے کہ اس توجہ میں ضرور تکلف کرنا پڑے گا۔
کہ تمام لوگوں میں اکیلے ایک سامری ہی نے مخصوص
طور پر کیسے جبرئیل کو دیکھا اور انہیں پہچان بھی لیا۔ پھر
اسے کیونکر معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل کی گھوڑی کے سم
کی مٹی میں یہ اثر ہے۔ مفسرین یہ جو توجہ کرتے ہیں کہ
حضرت جبرئیل ہی نے سامری کو پالا تھا۔ تو یہ اور

الانزہ والذی ذکر وہ من ان جبرئیل
 علیہ السلام ہوا الذی ربّاه فبعید
 لان السامری ان عرف جبرئیل
 حال کمال عقلہ عرف قطعاً ان
 موسیٰ علیہ السلام نبی صادق
 فکفیت یجادل الاضلال - وان
 کان ما عرفہ حال البلوغ فأتی
 منفعة لکون جبرئیل علیہ السلام
 مربیاً لہ حال الطفولية فی حصول
 تلك المعرنة۔

بھی دوسری بات ہے اس لئے کہ سامری کو جب پوری عقل اپنی
 تھی اس زمانے میں اگر جبرئیل کو پہچانے ہوتا تو یقیناً اس کو
 یہ بھی معلوم ہوا ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سچے پیغمبر ہیں
 اس صورت میں وہ مگراہ کرنے کا کیوں کر قصد کر سکتا تھا۔
 اور اگر اس نے بلوغ کے زمانے میں حضرت جبرئیل کو نہیں
 پہچانا تھا تو اگر جبرئیل لڑکپن میں اس کے مربی رہے
 بھی تو اس سے کیا فائدہ ہوا۔ اور یہ سابقہ معرفت کس طرح
 کام آسکتی تھی۔

ورابھا انه لو جاز اطلاع
 بعض الکفرة علی تراب هذا^{لہ} اثنان
 فلقائل ان يقول۔ فلعل موسیٰ
 علیہ السلام اطعم علی شئ اخر
 يشبه ذلك فلا جملہ اتي بالمعجزات
 ويرجع حاصلہ الی سوال من
 یطعن فی المعجزات ویقول۔ لم
 لا یحضر ان یقال انہم لاختصاصہم
 بعض الادویۃ التي لها خاصية

چوتھی دقت یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہے کہ ایسی تاثیر کی مٹی
 سے کفار واقف ہو سکتے ہیں۔ تو اعتراض کرنے والے کو
 یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ محب نہیں حضرت موسیٰ نے بھی
 اسی تاثیر کی کوئی اور چیز پالی ہو اور اسی کے اثر سے یہ
 معجزات صادر ہوئے ہوں نتیجہ یہ ہو گا کہ معجزات میں طعن
 کرنے کی ایک اور دلیل نکل آئے گی اور معترض کہے گا کہ یہ
 کہنا کیونکر ناجائز ہو سکتا ہے کہ پیغمبروں کو بعض ایسی
 ودائیں مل گئی ہوں جن کی خاصیت سے اس طرح
 کے معجزات صادر ہو سکتے ہوں۔ غرض کہ یہ وہ صورت ہے

ان تفید حصول تلك المعجزة اتوا بتلك
 المعجزة وحينئذ ينسد باب المعجزات بالكلية
 اما قوله- وكن اليك سؤلت لى
 نفسى- فالعنى فعلت ما دعتنى
 اليه نفسى- وسؤلت ماخوذ من
 السؤال فالعنى لم يد عنى الى ما
 فعلته احد غدى بل اتبعث
 هواى فيه-

کہ اس انسانہ کو اگر صحیح مانا جائے تو معجزات کا دروازہ بالکل
 بند ہو جائے گا۔
 سامری کا یہ کہنا کہ وَكُنْ لَكَ سُؤْلَتٌ لِي
 ہي میرے جی میں آیا، اس کا یہ مطلب ہے کہ میرے نفس نے
 جو تحریک کی اسی پر میں کار بند ہوا۔ لفظ۔ سُؤْلَتٌ اسوال
 سے ماخوذ ہے۔ اسی کے معنی یہ ہوئے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے
 کسی دوسرے شخص نے مجھے اس باب تحریک نہیں کی تھی
 بلکہ اس باب میں محض اپنی خواہش نفسانی کی میں نے پیروی

کی ہے۔

(۴)

یہ سچ ہے کہ قوم سامرین کا زمانہ حضرت موسیٰ کے ہم عہد نہیں لیکن کیا ایک نام کا ایک ہی شخص ہوا کرتا
 ہے؟ تو رات میں سامر کا نام کئی جگہ آیا ہے۔ ممکن ہے تغیر لہجہ سے عبری کا سامر عربی میں سامری بن گیا
 ہو۔ لیکن اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ سامری قوم سامرہ ہی کا ایک فرد تھا جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔
 سید احمد خاں لکھتے ہیں۔

”نبی اسرائیل کے بارہ سبط تھے اور سب ایک سلطنت کے ماتحت تھے۔ مگر حبیب رجبعام بادشاہ ہوا
 تو نبی اسرائیل کے دس سبط نے اس سے بغاوت کی اور یاربعام پسر نباط کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اس نے اپنے
 ملک میں بمقام بیت اہل اور دان کے سونے کے پھڑپھڑے بنائے (دیکھو اول سلاطین باب ۱۱۔ آیت ۲۸ و ۲۹) اور

۱۷ تفسیر جلد ۶ صفحہ ۶۹۔

۱۷ اخبار الامم راول تاسیخ، باب، آیت ۳ و باب ۸۔ آیت ۱۲۔

ان کی پرستش شروع کی۔ جب کہ عمری ان لوگوں پر بادشاہ ہوا تو اس نے کوہ شومول کو اس کے مالک سے جس کا نام شمر تھا خرید لیا۔ (سلاطین میں بجائے شمر کے سامر لکھا ہے) اور وہاں شہر بنایا جو دارالخلافت ہو گیا۔ دیکھو اول سلاطین۔ باب ۱۶۔ آیت ۲۳ لغایت ۲۵ اور اسی سبب سے وہ لوگ سارتن یا سامری یا سامری مشہور ہوئے۔ وہ قوم جس میں کسے شخص نے بنی اسرائیل کے لئے بچھڑ بنایا تھا قرآن مجید کے بہت پہلے سے سامری کے نام سے کہلاتی تھی قرآن مجید میں السامری کہنے سے صرف یہ اشارہ ہے کہ اس کا بنانے والا اس قوم میں سے تھا جنہوں نے آخر کار یاربعام کی اطاعت کر کے سونے کے بچھڑوں کی پرستش کی تھی اور جو لوگ سامری یعنی سارتن کے لقب سے مشہور ہیں۔

(۵)

اس واقعہ کے متعلق توراۃ کا بیان حسب ذیل ہے :-

جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ پہاڑ سے اترنے میں دیر کرتا ہے تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوئے اور اُسے کہا کہ اٹھ ہمارے لئے معبود بنا کہ ہم اسے اگے چلیں کیونکہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں مصر کے ملک سے نکال لایا ہم نہیں جانتے کہ اسے کیا ہو۔ ہارون نے کہا کہ سونے کے زیور جو تمہاری بیویوں بیٹیوں اور بیٹوں کے کانوں میں ہیں اتار اتار کے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ زیوروں کو جو ان کے پاس تھے اتار اتار کے ہارون کے پاس لائے۔ اس نے ان کو ہاتھوں سے لیا۔ اور ایک بچھڑ ڈھال کر اس کی صورت حکاک کی کے اوزار سے درست کی۔ انہوں نے کہا کہ اے بنی اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر سے نکال لایا جب ہارون نے دیکھا تو اس کے اگے ایک قربان گاہ بنائی۔ ہارون نے یہ کہہ کر منادی کی کہ کل خداوند کے لئے عید ہے۔ وہ صبح کو اٹھے اور سوختنی قربانیاں چڑھائیں۔ سلامتی کی قربانیاں گزرائیں لوگ کھلنے پینے کو بیٹھے اور کھینے کو اٹھے۔ تب خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا کیونکہ تیرے لوگ نہیں تو مصر کے ملک سے چھڑ لایا خراب ہو گئے ہیں۔ وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے ہیں مابہنیں نے اپنے لئے ڈھلا ہوا بچھڑ بنایا اسے پوجا اور اس کے لئے قربانی ذبح کر کے کہا اے اسرائیل یہ تمہارا معبود

ہے۔ پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے اب تو مجھ کو چھو کر میرا غضب ان پر بھڑکے۔ اور میں ان کو بھسم کروں میں تجھ سے ایک بڑی قوم بنائوں گا موسیٰ نے اپنے خداوند کے آگے منت کر کے کہا کہ اے خداوند نیکوں تیرا غضب اپنے لوگوں پر نہیں تو شہزوری دزد بدستی کے ساتھ ملک مصر سے نکال لایا بھڑکے کہ ہے..... تب خداوند اس بدی سے جو اس نے سوچا تھا۔ کہ اپنے لوگوں سے کرے پھرتا یا۔ موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا۔ شہادت کی دونوں صحنوں کے ہاتھ میں تھیں۔ جو لکھا ہوا سوخا کا لکھا ہوا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا۔ جب یثوع نے لوگوں کی آواز نہ سنی تو موسیٰ سے کہا کہ لشکر گاہ میں رطائی کی آواز ہے موسیٰ بولا یہ تو نہ فتح کے شور کی آواز نہ شکست کے شور کی آواز ہے بلکہ گلے کی آواز میں سنتا ہوں۔ جب وہ لشکر گاہ کے پاس آیا اور پھر ادرناج راگ دیکھا تب موسیٰ کا غضب بھڑکا اس نے صحنوں اپنے ہاتھوں سے پھینک دیں۔ پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالیں۔ اس پھر طے کو جسا ہنوں نے بنایا تھا یا۔ اس کو آگ سے جلا یا۔ میکہ خاک سا بنایا۔ اور اس کو پانی پر پھڑک کر بنی اسرائیل کو پلایا۔ موسیٰ نے بارون سے کہا کہ ان لوگوں نے تجھ سے کیا کیا کہ تو ان پر ایسا بڑا گناہ لایا۔ بارون نے کہا کہ میرے خداوند کا غضب نہ بھڑکے۔ تو اس قوم کو جانتا ہے کہ بدی کی طرف مائل ہے۔ سو انہوں نے مجھے کہا کہ ہمارے لئے ایک معبود بنا جو ہمارے آگے چلے کہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا ہم نہیں جانتے کہ اسے کیا ہوا تب میں نے انہیں کہا کہ جس کے پاس سونا ہو وہ اتار لائے۔ انہوں نے مجھے دیا اور میں نے اُسے آگ میں ڈالا سو یہ پھر ادرناج کا غضب موسیٰ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بے قید ہو گئے۔ کہ بارون نے انہیں ان کے مخالفوں کے رد و ان کی رسوائی کے لئے بے قید کر دیا تھا۔ تب موسیٰ لشکر گاہ کے دروازے پر کھڑا ہوا اور کہا جو خداوند کی طرف ہودہ میرے پاس آئے۔ تب سب بنی لادی اس کے پاس جمع ہوئے۔ اس نے انہیں کہا کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پتلوا بانہ سے۔ ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک تمام لشکر گاہ میں گزرتے پھر۔ ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک شخص

اپنے عزیز قریب کو قتل کرے۔ بنی لادی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریب تین ہزار کے مارے پڑے۔ دوسرے دن صبح کو یوں ہوا کہ موسیٰ نے لوگوں سے کہا کہ تم نے بڑا گناہ کیا۔ اب میں خداوند کے پاس اوپر جاتا ہوں۔ شاید میں تمہارے گناہ کا کفارہ کروں۔ خداوند نے ان کے بچھڑے بنانے کے سبب سے جسے ہارون نے بنایا تھا۔ لوگوں پر طاعون بھیجا۔

(۶)

تورات کا اضافہ اگر صحیح ہے تو اس کے لازمی نتائج یہ ہوں گے:-

الف:- بچھڑے کا بنانے والا سامری نہ تھا۔ خود حضرت ہارون اس کے بنانے والے تھے۔

ب) ہارون کو خدا نے مقدس بنایا تھا۔ تقدس کا خلعت دیا تھا۔ روحانی نعمتیں عنایت کی تھیں۔ لہذا بعد ازاں ان کے خاندان میں اس تقدس کو قائم رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کو ان کے (یعنی ہارون کے) اور ان کی اولاد کے متعلق بہت سی وصیتیں کی تھیں۔ بایں ہمہ نہ تو ہارون نے خدا کی رحمتوں کا خیال کیا اور نہ اپنے فرائض پر نظر کی۔ حضرت موسیٰ نے انہیں اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ عوام کو گمراہی سے بچاتے خود ہی اس کی بنیاد قائم کر دی۔

(ج) لازم تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل پر خدا نے جس قدر عذاب نازل کیا تھا اس سے بہت زیادہ عذاب ہارون پر نازل ہوتا۔ اس لئے کہ یہی حضرت اس گمراہی کے بانی تھے۔ لیکن بچا رہے عامیوں سے تو اتنا سخت بدلا لیا گیا کہ سب لوگ اپنے عزیز ترین دوستوں اور رشتہ داروں کو قتل کرنے اور کٹ

۱۵ خروج باب ۲۲۔ آیت اول لغایت ۳۵۔

۱۶ خروج باب ۲۸۔ از اوّل تا آخر۔

مرنے پر مجبور کئے گئے مگر ہارون کا بال نگہ بیکانہ ہوا اور مواخذہ تو درکنار خدا کی جانب سے انہیں تنبیہ بھی نہیں کی گئی؛

وہ، تورات کے بیانات قابل تسلیم نہیں ہیں اس لئے کہ جابجا ہارون کی عظمت بھی بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ عظمت ہارون کے خاندان میں قائم ہے گی۔ اور پھر یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ خدائے اسرائیل نے بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کے متعلق ان پر جو اعتماد کیا تھا وہ حق بجانب نہ تھا۔ کیونکہ ایک دقت میں انہوں نے حد درجہ کی شرک و گمراہی میں حصہ لیا تھا۔ خود بھی گمراہ ہوئے تھے۔ اور تمام قوم کو بھی ضلالت میں بھنایا تھا۔

یہ وہ نتائج ہیں جن سے ممکن ہے کہ سرسری نظر والی خوش اعتقاد طبیعتوں میں کوئی تذبذب نہ پیدا ہو لیکن حقیقت شناسی کا وجود اگر دنیا میں باقی ہے تو ہارون کی عزت۔ توراۃ کی سچائی خدا کی خدائی۔ ان سب میں کوئی چیز بھی الزام سے بری نہیں ہو سکتی۔ اس حالت میں دو ہی صورتیں نکلیں۔

(الف) توراۃ کو سچ مانتے ہیں تو خدائے بنی اسرائیل کی کبریائی اور ہارون کی عزت میں فرق آتا ہے۔

(ب) خدا کی کبریائی اور ہارون کی عزت پر نظر پڑتی ہے تو توراۃ کا بیان غلط معلوم ہوتا ہے اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان میں اکثر کا فیصلہ قرآن کریم سے ہو جاتا ہے۔ سورہ نمل میں نہایت بلند آواز سے اس دعویٰ کی منادی کی گئی ہے۔ اشد ہوتا ہے۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقْصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ
بِئْسَ الْكُرْآنُ الَّذِي يُقْصُّ فِيهِ عُتَقَاءُ لِلْأَعْدَاءِ
بِئْسَ الْكُرْآنُ الَّذِي يُقْرَأُ فِيهِ
وَأَقْبَلِ الْكُفْرَ الْكَبِيرَ
وَأَقْبَلِ الْكُفْرَ الْكَبِيرَ
وَأَقْبَلِ الْكُفْرَ الْكَبِيرَ

لَقَدْ أُوحِيَ ذَرِمَّةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ - إِنَّ ذَرِمَّةً
يَقْضِي بَيْنَهُمْ عَلَيْهِمْ وَهُمْ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ -
ہے اور بے شک یہ قرآن ایمان والوں کے حق میں لازم
نہیں کہ تمہارا
پروردگار قرآن کو، نزل کر کے اپنے حکم سے ان کے آپس
(ہز: سورہ سورہ ۲۷ - آیت ۷)
کے اختلافات کا فیصلہ فرماتا ہے۔ اور وہ نہ بدست (اور سب کچھ جانتا ہے)۔

یہ دعویٰ تھا اور اس کی دلیل یہی گوسالہ سامری کا دافعہ ہے، قرآن کریم نے صاف بتا دیا کہ موجودہ تورات
میں یہودیوں نے اس دافعہ کو غلط پیرایہ میں درج کر دیا ہے ہارون جیسے عظمت و شان کے بزرگ کا یہ شیوہ نہ تھا
کہ وہ گوسالہ بنا کر پوچھتے۔ اور خلق کو گمراہ کرتے۔ یہ تو سامری کا کام تھا۔

(۷)

توراة کی اصلاح و تصحیح کرنے والوں کو ہارون کے متعلق غلط فہمی پیدا ہونے کے غائب اور سبب ہوئے
ہوں گے :-

(الف) کوہ طور پر جاتے وقت حضرت موسیٰ اپنے بھائی ہارون کو بنی اسرائیل کا محافظ مقرر کر گئے تھے
محافظ کے لئے عبرانی زبان میں سامریا شام کا لفظ استعمال ہوا کہ تاہم مصمبین و مترجمین توراة نے جب سامریا
کا قصہ پڑھا ہوگا تو دیکھیں ہوں گے کہ یہ کسی شخص کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو بنی اسرائیل
کا محافظ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ محافظت کی خدمت ہارون ہی کو تفویض ہوئی تھی،

(ب) حضرت موسیٰ محبوب کوہ طور سے واپس آئے تو انہوں نے ہارون کو بڑی سختی سے ملامت کی کہ
تم نے اپنے فرض میں کس لئے کوتاہی جائز رکھی اور لوگوں کو گمراہ ہونے دیا ظاہر ہے کہ یہ ملامت صرف
ان کے فرائض محافظت پر مبنی تھی اسی طرح جیسے کہ سرکار عالی کی جانب سے عوام کی بدعنوانیوں کی پریش
توہ کے سرگرد ہوں سے کی جاتی ہے لیکن یہودی مصمبین یہ دیکھ کر کہ توراة میں حضرت موسیٰ کا بھائی ہارون
کی نسبت نہایت سخت اور ملامت آمیز ہے یہ سمجھے کہ ہارون ہی نے وہ بچھڑا بنایا تھا۔

یہ روداد ہے ان واقعات کی جن میں کمی ہزار برس سے اختلاف چلا آتا ہے۔ ناظرین کو امتیاز ہے کہ قرآن کریم کے فیصلہ کو سچ مانیں یا توراۃ کی غلطیوں پر چمے رہیں۔

(۸)

سامری کو حضرت موسیٰ نے جن الفاظ میں بد عادی تھی وہ یہ تھے۔

فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ پل دور ہو اس زندگی میں تیری یہ سزا ہے کہ زندگی
لا مَسَاسَ۔ بھرا کہتا پھر کہہ دیکھو مجھے کوئی چھو نہ جانا (در نہ ہم
دونوں کو نہ آپ آجائے گی)۔

یہ ترجمہ مفسرین کی عام روایت کے مطابق ہے اور لا مَسَاس کے لفظ نے اس کی بنیاد ڈالی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لا مَسَاس کے معنی بنے جلنے سے مانعت کے ہیں۔ سامری کی ضلالت دیکھ کر حضرت موسیٰ نے اس کو منع کر دیا تھا کہ خبردار! اب زندگی بھر کسی سے نہ ملنا جلنا سہ کیونکہ ظاہر ہے کہ گمراہی کا مرض اسی صورت میں متعدی ہوا کہ تپ کے آنے نہ آنے سے نہ اس کو کوئی تعلق ہے نہ قرآن کریم اس قصہ کا موید ہے۔ اور نہ صحیح تاریخی روایتیں اس کی حامی ہیں۔ ذَا لِكَ تَوَلَّيْتُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ۔

۱۔ تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۶۹ (دجستانی)

کلام القرآن

(از مولانا الحاج ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب سنہی القادری دورنگل)

قرآن کریم کو بہر نوع مسلمانوں کے دلوں میں آثار دینا جب ہمارا مقصود ہے تو اپنے اردو لٹریچر سے بھی اس سلسلہ میں کام لینا ضروری ہے لٹریچر کو دل و دماغ کی تربیت اور جذبات کی آفریش میں جو خصوصیت حاصل ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ آج اردو تحریرات اور بول چال میں کتنے انگریزی الفاظ ہیں جو ذیل ہو کر اپنی قوت نفوذ سے نہ صرف انگریزی زبان بلکہ عام جہلا کی زبانوں پر بھی چڑھ گئے ہیں ان جاہل زبانوں سے ان کا استعمال یہ بتانا ہے کہ وہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھ کر ہی موزون و مناسب مواقع پر ان کو برت رہے ہیں حالانکہ انگریزی کی ہوا بھی ان کو نہیں لگی مغرض کہ زبان کے الفاظ کا زبان زد عوام ہو جانا بھی ناواقفوں کو اس کے معنی و مطلب سے خواہ مخواہ واقف بنادیتا ہے۔

اس لحاظ سے میری رائے یہ ہے کہ قرآن مجید کے بعض مرکب الفاظ اور چھوٹے چھوٹے فقرہ کو ہم اردو میں استعمال کرنا شروع کر دیں اور روزمرہ کی موزونیت و مناسبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے فقرے کلام پاک سے چن کر ”پیغام حق“ میں شائع کرتے رہیں۔ اس طریقہ کو سلف نے بھی اپنی فارسی تحریرات و تصنیفات میں ملحوظ رکھا ہے۔ آج بھی کلام پاک کے بعض فقرے جو اردو میں مستعمل ہو گئے ہیں یہ انہیں کا فیضان ہے۔

مولانا ابوالکلام نے بھی اللہ اللہ میں اس موزون مقصد اشاعت قرآن کو نہایت ترکب و احتشام و شاندار اہتمام کے ساتھ جاری رکھا تھا جس سے اردو کا اثر و نفوذ بھی اپنے دم خم دکھانے لگا اور شوکت کلام نے مولانا کو سارے ہندوستان میں فی الواقع اسم با سمنی تسلیم کر دیا۔ غرض ہماری

اس سہی عمل سے قرآن اور اُردو دونوں کی خدمت ہو جائے گی اسی فکر و تردید میں خیال کا اس طرف منتقل ہو جاتا تھا کہ کج صبح کی تلاوت میں میں نے مختلف مقامات سے بعض ایسے الفاظ اور فقرات کو منتخب کر لیا ہے اور ناظرین "پنجم حق" کے ملاحظہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اس ذوق سخن سے وہ لوگ بہت زیادہ محفوظ ہوں گے جنہوں نے اہل حرمین شریفین کو اپنی گفتگو و محاورہ میں اس طرح سے قرآن پاک کو استعمال کرتے دیکھا اور سنا ہے۔

بازارِ مکہ میں ایک عرب سائل نے کچھ مانگا، اس کو جو کچھ اُس وقت دیا جا سکتا تھا دیا گیا۔ مگر اس نے کچھ زیادہ حاصل کرنا چاہا اور کہا اَدْخُلْ يَدَكَ فِي حَبْنِكَ فَخُذْ مِنْهُ بَيْضَاءُ یعنی جیب (گریبان نہیں کیسہ) میں ہاتھ ڈالو تو سفید سفید روپے نکل آئیں گے میں نے بھی قرآن حکیم ہی سے فوراً جو اس وقت یاد آگیا یہ جواب دیا۔ خُذْ مَا آتَيْتَكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ لے کر جو کچھ دیا گیا ہے اور خدا کا شکر ادا کرو۔ اس سے وہ بہت محفوظ ہو کر میرا پتہ پوچھتا ہوا روانہ ہو گیا۔ (یہ دونوں فقرے کوئی علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہیں) ایک روایت جناب رابعہ بصریؒ کے کلام القرآن کی نسبت بھی اسی طرح مشہور ہے۔

- ۱۔ اَمَرَ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى کہیں انسان کو من مانی مراد بھی ملی ہے۔
- ۲۔ اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الْاَنۡظَنَ یہ لوگ تو بس گمان پر چلتے ہیں۔
- ۳۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخۡفَوۡصُونَ وہ تو زری انگلیں دوڑاتے ہیں۔
- ۴۔ اِنۡكَ اَنْتَ تَسۡمِعُ الصَّخۡمَ کیا تم بہر دل کو سن سکتے ہو۔
- ۵۔ مَا لَكُمْ بِهٖ مِنْ عِلۡمٍ تم کو کچھ اس کا علم نہیں ہے
- ۶۔ ذَرَبۡنَ لَهُ سُوۡءَ عَمَلِهٖ اُس کو اپنے بُرے کام اچھے معلوم ہونے لگے ہیں۔
- ۷۔ يٰۤاَكۡلُوۡنَ لِمَا تَاۡكُلُ الْاَۡلۡعَامُ جانوروں کی طرح یہ بھی کھاتے پیتے ہیں۔

- ۸۔ لَعَسَا لَهُمُ
۹۔ مَا ذَا قَالَ اِنْفَا
۱۰۔ اِنَّا عَدَا عَنَا
۱۱۔ ذٰلِكَ مَا لَنَا نَبْغِ
۱۲۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ
۱۳۔ شَيْءٌ عَجَابِ
۱۴۔ شَيْءٌ يُرَادُ
۱۵۔ اِنْ هٰذَا اِلَّا اُخْتِلَاقِ
۱۶۔ عَزِيْزِيْ نِي الْخِطَابِ
۱۷۔ اِيْحَيِّىْ اللّٰه
۱۸۔ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ
۱۹۔ فَاَصْبَحْ يُقَلِّبُ كَيْفِيْهِ
۲۰۔ تَحْسَبُهُمْ اِيْقَاطًا وَهُمْ رَتُّودُ
۲۱۔ لَنَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ
۲۲۔ لَنَعْرِفَنَّهُمْ بِسِيْمَا هُمْ
۲۳۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا
۲۴۔ اَقْرَضْ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ
۲۵۔ بِالْعِشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ
- ۱۔ ان کا بڑا ہو (ان کا ستیاناس ہو)
۲۔ اس نے ابھی ابھی کیا کہا۔
۳۔ ہمارا ناشتہ لاؤ۔
۴۔ ایسی ہی تو ہم چاہتے ہیں۔
۵۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔
۶۔ بڑی عجیب بات ہے۔
۷۔ غرض و مطلب کی بات ہے۔
۸۔ یہ تو ان کی من گھڑت ہے۔
۹۔ مجھ کو اس نے باتوں میں دبایا۔
۱۰۔ میرے لئے خدا کافی ہے۔
۱۱۔ میں نے خدا پر بھروسہ کر لیا ہے۔
۱۲۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ ملتارہ گیا۔
۱۳۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ جاگ رہا ہے وہ سہمہ میں۔
۱۴۔ تم ان کو ان کے طرز کلام سے ضرور پہچان لو گے۔
۱۵۔ ان کو تو تم ان کی صورت ہی سے پہچان لو گے
۱۶۔ کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے ؟
۱۷۔ میں اپنے معاملہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔
۱۸۔ صبح اور شام۔

سلسلہ مطبوعات اقبال اکیڈمی

۱- یاد اقبال علامہ اقبال کی وفات پر ہندوستان کے جلیل القدر شعراء نے مرحوم کو جو خراج تحسین ادا کیا تھا اسے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ اردو ادب میں یہ ایک گرانمایہ اضافہ ہے۔ قیمت ۱/۴/-

۲- حیات مفتی علامہ جمال الدین افغانی کے شاگرد رشید اور دست راست مفتی محمد عبدہ مصری کے حالات زندگی اور شاندار کارناموں کی تفصیل۔ اردو زبان میں اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ قیمت ۱/۲/-

۳- تعلیمات اقبال علامہ اقبال نے اپنی قوم کو جن باتوں کی تلقین کی ہے انکو ایک مجموعہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب دراصل علامہ کی تمام کتابوں کا نیچوڑ اور تشریح ہے۔ قیمت ۱/-

۴- شرح علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کو سمجھنے بغیر علامہ کے کلام کو سمجھنا از اسرار خودی حد مشکل ہے علامہ نے اس فلسفہ کو مثنوی اسرار خودی میں پیش کیا ہے۔ فارسی زبان اور فلسفیانہ انداز میں ہونے کی وجہ سے یہ کتاب عوام کی دسترس سے بہت دور تھی۔ اس شرح کے مطالعہ سے فلسفہ خودی کے دقیق سے دقیق مسائل آپ کے لئے بالکل آسان ہو جائینگے۔ قیمت ۱/-

ملنے کا تپہ

دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاج پور لاہور

